اِنَّ اللّٰہَ لَطِیفٌ خَبِیرٌ

"اعجازِ رحمت سالنامہ اللطیف قطبِ ویلور"

۴۰ ——— ھ ——— ۱۴

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

سالنامہ

اللطیف

ویلور

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالنامہ ۱۴۴۰ھ	م2019ء	شمارہ نمبر ۵۸

"اعجازِ رحمت سالنامہ اللطیف قطب ویلور"

۱۴ ــــــــــ ھ ــــــــــ ۴۰

اللطیف ویلور

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء :۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ م 17؍اپریل 2019ء بروز چہارشنبہ

Scanned with CamScanner

سرپرستان

مولانا ڈاکٹر **ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری**

یم،اے،پی،ہچ،ڈی،

ناظم دارالعلوم لطیفیہ،حضرت مکان،ویلور۔

سید شاہ محمد طاہر قادری

سجادہ نشین خانقاہِ حضرت قطبِ ویلور

مدیرانِ مسئول

حضرت مولانا مولوی **پی، محمد ابوبکر ملیباری** لطیفی قمری

مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر **ابوالنعمان بشیر الحق قریشی لطیفی**

یم،اے،پی،ہچ،ڈی۔

مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور۔

نمائندگانِ طلباء

۱	محمد نزار	کیرلہ
۲	حافظ محمد یاسین	کیرلہ
۳	محمد سعید	کیرلہ
۴	محمد انس	کیرلہ
۵	انیس خان	کیرلہ
۶	سیف الدین	کیرلہ

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۴۰ھ مطابق 2019ء

Scanned with CamScanner

منظومات

پیش کش:
سید شاہ محمد طاہر قادری
سجادہ نشین خانقاہِ حضرت قطبِ ویلور

مناجات قربیؒ

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔

آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں ۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؒ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

دلبرا گر مہر سوں لطف کرے تو بھلا ۔ بیدل اگر صدق سوں نہ میں مرے تو بھلا
وصل دلارام کی صبحدم رکنے کے تیں ۔ ہجر کی تاریک شب بیگ کے سرے تو بھلا
چشم کے دو دو آہواں حسن کے بستان میں ۔ سنبل تر یاسمن نہ سوں چھرے تو بھلا
عشق کی سوتی کتیں شوق کی لذت ستی ۔ ابر نمب چشم سوں آپ جھرے تو بھلا
عاشقِ صادق اگر ذات کر اپنی فنا ۔ ذات میں اللہ کے خوں کو ہرے تو بھلا
لجۂ وحدت کتیں نیں ہے کنارا کہیں ۔ عاشقِ صادق اگر اس میں گرے تو بھلا

قربیؔ بیچارہ گر چھوڑ خودی کوں تمام
اپنے خدا کی طرف دل سے پھرے تو بھلا

رباعیات امجدؒ

حضرت امجدؔ حیدرآبادی

حضرت امجدؔ حیدرآبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیا میں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت صوفی منش امجد کے کلام کو حرز جان سمجھتے ہیں۔ اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے چار رباعیات پیش ہیں۔

نورٌ علیٰ نور

دریائے محبت ہے سفینہ میرا
ہے حسن کی خاتم پہ نگینہ میرا
روشن ہے چراغِ عشق سے کعبۂ دل
معمور ہے نور سے مدینہ میرا

آئینۂ حسن

ہیں صورت طور نور والی آنکھیں
ہم رنگِ بلالؓ ہیں غزالی آنکھیں
وہ نور کی پتلی ہے اسی پردہ میں
ہیں عین غلافِ کعبہ کالی آنکھیں

خلوت کدہ

مر مر کے لحد میں میں نے جا پائی ہے
یاں تک مجھے تیری ہی کشش لائی ہے
آ اے مرے منہ چھپانے والے آجا
خلوت ہے شب تار ہے تنہائی ہے

ینزلُ ربُّنا کُلَّ لیلۃ
ہمارا رب ہر رات نزول فرماتا ہے

سنتا ہے تری فغاں وہ تاریکی میں
سنتا ہوں کہ ہے نہاں وہ تاریکی میں
چشمِ روشن کی شمع روشن کر لے
آجاتا ہے وہ ناگہاں تاریکی میں

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

قوم مسلم کی پستی و بربادی کے اسباب کی تلاش میں آج جبکہ بڑے بڑے مصلحانِ قوم و رہنمایان ملک وملت مصروف ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس پرآشوب زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی ومعاشرتی اور اقتصادی حالات حددرجہ تباہ وبرباد ہوچکی ہے۔ایسے وقت میں ملت کا ہر فرد اپنی زبوں حالی وبدحالی کومدنظر رکھ کر اپنے اپنے گریباں میں سرڈال کر سوچے اور فکر کرے کہ آخرہم وہی قوم تو ہیں جن کے جاہ وجلال شوکت واقبال سطوت وحشمت کا خورشید ترقی کی انتہائی بلندیوں کو پہنچا ہوا تھا جس کا دنیا اور دنیا والوں پر رعب چھایا ہوا تھا۔جسکی قوت وطاقت سے بڑھ کر بڑے جابر سلاطین کی محلوں میں زلزلہ آجاتا تھا، فتح وکامرانی جن کے قدم چوما کرتی تھی، محکومی وغلامی جن کے خواب وخیال میں بھی نہیں آتی تھی۔لیکن ہمارا وہ جاہ وجلال اور سطوت وعظمت کہاں گئی، ہماری زبوں حالی وبدحالی کے دوائی ومحرکات کیا ہیں؟۔ذرا سر جھکا کر سوچئے اور ایک اچھے نتیجے پر آیئے۔

آغازِ سال نو: مورخہ ۱۱رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ روزِ دوشنبہ حسبِ عادت تعلیم کا آغاز ہوا۔نئے طلبۃ العلوم کا داخلہ عمل میں آیا۔

دورۂ حدیث: بہ اجازت فضیلت مآب حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری صاحب ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی دعاؤں سے مورخہ ۲رجولائی ۲۰۱۸ء بروز پیر شروع ہوا۔بحمد للہ رجب ۱۴۴۰ھ ناظم موصوف کی دعاؤں سے انجام پہنچا۔

افتتاحی اجلاس: انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی اجلاس مورخہ ۱۲رڈسمبر ۲۰۱۸ء روز چہارشنبہ بعد نمازِ ظہر دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔جس کی صدارت عالیجناب ڈاکٹر سید شاہ عثمان شاہ قادری، ناظم دارالعلوم نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے عالی جناب مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی، پرنسپل جمالیہ عربک کالج مدراس نے بزبان عربی تقریر فرمائی جسمیں معاشرہ کی اصلاح وعلم دین کی فضیلت سیر حاصل بحث فرمائی۔نیز مولانا مولوی سید بشیر احمد لطیفی صاحب چتوری بزبانِ اردو خطاب فرمایا جسمیں تعلیمی اور ادبی پر بحث فرمایا۔عوام اور طلباء بہت خوش دلی کے ساتھ ان بیانات سے محظوظ ہوئے۔

امتحانات: مورخہ یکم ڈسمبر سے ۶ رڈسمبر تک جاری رہے۔اساتذہ محترم کی نگرانی ہوئی۔نیز ۶رماہ اپریل ۲۰۱۹ء سالانہ امتحانات شروع ہوئے مسلسل چھ دنوں تک جاری رہا۔

عباپوشی وعطائے اسناد: فضیلت مآب ڈاکٹر مولانا سید شاہ عثمان شاہ قادری ناظم دارالعلوم

لطیفیہ کی زیر صدارت مورخہ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۷ر ماہ اپریل ۲۰۱۹ء بروز چہارشنبہ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جسمیں مقامی و بیرونی علمائے کرام اور علم دوست حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے اور ناظم موصوف نے اپنے دست فیض اقدس سے طلباء میں عبا و اسناد عطا فرمایا۔

ہدیہ تشکر: ادارہ ان تمام مخلص دارالعلوم کا مشکور ہے جو ہمیشہ دارالعلوم کے ہر کاموں میں رات دن سے شامل ہوئے اور اپنی عقیدت کا اظہار فرمایا۔ شکریہ

☆☆☆☆☆

قطعہ

بالذاتِ ذوالجلالِ ظہورِ محمدیؐ
مقصودِ کائنات ہے نورِ محمدیؐ
داور کے ہیں امور امورِ محمدیؐ
واللہ قربِ حق ہے حضورِ محمدیؐ
ظفر و عادل

Scanned with CamScanner

افتتاحیہ

ادارہ

علم کا معنی اور مفہوم ہے دانستأ، یعنی جاننا سمجھنا، پہچاننا، غور وفکر کرنا، کسی بھی شئے کی معرفت حاصل کرنا وغیرہ علم کی ضد جہل ہے، یعنی لاعلمی اور بے خبری انسانی زندگی کے لئے علم نہایت ضروری ہے، علم نہ ہوتو زندگی جہل کا شکار ہو جاتی ہے، جہل سے جہالت اور ضلالت پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی زندگی ظلمت وتاریکی میں گھر جاتی ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ زندگی کی نشونما اور ارتقاء کا ایک یقین ذریعہ علم ہی ہے اور علم ہی سے آدمی زندگی کو نقصان دینے والی اور ہلاک کرنے والی چیزوں سے دور رہتا ہے۔اور نفع دینے والی چیزوں کو اختیار کرتا ہے۔خیر وشر اور سود وزیاں کی جانکاری علم ہی کی بدولت ہوتی ہے۔علم ہی سے آدمی عالم اور ذی فہم کہلاتا ہے۔فقدانِ علم سے آدمی جاہل اور ناسمجھ کہلاتا ہے، علم نہ ہوتو آدمی کی دنیا بھی نہیں اور آخرت بھی نہیں۔بنی نوعِ انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی دنیاوی زندگی شروع ہوئی تو انہیں علم ہی کی ضرورت پیش آئی، ان کے گردوپیش پھیلی ہوئی چیزوں سے متعلق جانکاری اور آگہی ایک ناگزیر صورت حال تھی، اللہ نے انہیں تمام اسماء کا علم عطا فرمایا۔ وعلم ادم الاسماء کلها۔ اسماء کی تعریف اور تعبیر میں اہل تفسیر اور اہل تصوف کی مختلف آراء اور اقوال ہیں، یہاں مفسر قرآن علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر کی وضاحت پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو انکی تمام اولاد سب جانوروں، زمین، آسمان، پہاڑ، تری، خشکی، گھوڑے، گدھے، چرند، پرند، درند، فرشتے، ستارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے سارے نام بتادئے اور تمام چیزوں کے ذاتی اور صفاتی نام اور تمام کاموں کے نام سکھائے۔

علم کا تعلق آدمی کی فطرت اور طبیعت سے ہے اور اس عہد اور زمانے سے بھی ہے جس میں آدمی کا بچپن جوانی اور بڑھاپا گزرتا ہے، اس اعتبار سے آدمی کے ساتھ علم کا رشتہ ماں کی گود سے لے کر زمین کی آغوش میں جانے تک قائم رہتا ہے۔اگر آدمی اپنی فطرت میں ولدیت شدہ علم کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے تو علم فعل کے دائرہ میں جلوہ نما ہوتا ہے اور ایسا شخص علم کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔علم کے ساتھ آدمی کی یہی وہ فطری اور طبعی مناسبت اور موزونیت تھی جسکی وجہ سے ایک حدیث میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ علم کی طلب وتلاش اُس کے حصول کا سلسلہ گود سے لے کر گور تک جاری رکھو۔ طلب العلم بنو المهيالي اللحد۔ اس حدیثِ زندگی کی ایک شکل وصورت یہ نمایاں ہوتی ہے کہ زندگی کوئی جاندار سکت شئے نہیں ہے، بلکہ وہ ہمیشہ تغیر اور تبدی سے ہمکنار رہتی ہے اور ہر زمانے میں اس کی ضروریات وحاجات، مسائل ووسائل اور مشکلات ومصائب مختلف ومتضاد اور جداگانہ ہوتے ہیں، اس اعتبار سے ہر

زمانے میں علم کی جہتیں اور سمتیں بھی متعدد ومختلف اور متنوع رہتی ہیں، اسلئے طلب علم کو آدمی کی زندگی کسی ایک دور کے ساتھ مختص اور مخصوص نہیں سمجھا گیا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں زندگی کی جو ضروریات وحاجات اور مسائل و وسائل تھے اور جو چیزیں وجود میں آئی تھیں اس کے مطابق اور موافق علم کی ضرورت تھی۔اس عہد کی حالت اور مناسبت سے حضرت آدم علیہ السلام کو مادی اور روحانی علوم عطا کئے گئے۔چنانچہ حضرت حوا کے ایک حمل سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تو آپس میں حقیقی بھائی بہن ٹھہرائے گئے پھر دوسرے حمل سے دو بچے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئے تو یہ بھی باہم حقیقی بھائی بہن قرار پائے اور ان چاروں کے درمیان رشتہ ازدواج کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ پہلے حمل کے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل کی لڑکی سے قرار پایا اور دوسرے حمل کے لڑکے کا نکاح پہلے حمل کی لڑکی کے ساتھ طئے پایا۔ظاہر ہے کہ یہ شرعی حکم اُس زمانے کی صورت حال کی مناسبت سے تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد تغیر پزیر زندگی اور بدلتے ہوئے زمانوں کے ساتھ نئی ضرورتیں اور نئی چیزیں وجود میں آنے لگی تو علم ودانست کا دائرہ بھی متنوع اور وسیع ہونے لگا اور اللہ نے مختلف زمانوں میں انسانوں ہی میں سے نبیوں کی بعثت کا نظام قائم کیا، یہاں تک کہ بعثت انبیاء کا یہ سلسلہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور رسولوں پر محیط رہا۔ساتویں صدی عیسوی کے پہلے دہے ۶۰۹ عیسوی میں حضور پرنور سیدنا محمد عربی ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر مکمل ہوا۔آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جو نبی دنیا کے مختلف خطوں، قوموں اور زبانوں میں تشریف لاتے رہے، ان کی نبوتیں اور ان کے علوم ومعجزات و حکام وقتی وعارضی اور علاقائی وقومی تھے۔نبوت محمدی پر خاتمیت کی مہر ثبت ہونے کے بعد ساری نبوتیں منسوخ ہوگئیں۔اور رہتی دنیا تک نبوتِ محمدیؐ تمام قوموں، ملکوں، زبانوں اور زمانوں پر محیط ہوگئی۔اور آخری صحیفۂ آسمانی کے ذریعہ سیدنا محمد عربی ﷺ کے عالمگیر آفاقی ودائمی نبی ہوئے اور آپ کے خاتم النبین ہونے کی سراحت کی گئی۔وما ارسلنک الا کافة للناس مثل و نذیرا ولکن رسول الله خاتم النبین۔ اب قیامِ قیامت تک نبوت محمدی دنیا والوں کے لئے ہدایت اور نجات کا سرچشمہ رہے گی، آپؐ سے پہلے انبیائے کرام کو جن معجزات اور خصوصیات سے نوازا گیا تھا وہ تمام ان کے عہد کی ضرورتوں اور مناسبتوں کے زیر اثر تھے۔لیکن آپؐ کی نبوت کا زمانہ کسی مخصوص اور محدود دور کے ساتھ مربوط نہ رہنے کے باعث آپ کو ایسے معجزات اور خصائص عطا کئے گئے جو قیامت تک آنے والے زمانوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے۔ان میں سے اہم ترین معجزہ علم ہے جو قرآن کریم کی شکل میں نوازا گیا منجانب اللہ، آپ کو قرآن کریم کے علاوہ بھی علوم ومعارف کا بہت بڑا ذخیرہ اور خزینہ عطا کیا گیا جو آپؐ کے پیش رو نبیوں کو اتنی وسعت اور ہمہ گیریت کے ساتھ نہیں دیا گیا۔معجزہ میں حیرت انگیز اور محیر العقول طاقت اور تاثیر یہ ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں کو تسخیر کرلیتی ہے۔اور اسی کے ذریعہ نبی کی نبوت کا ستارہ چمکنے لگتا ہے، آپؐ کے معجزہ میں بھی غیر معمولی وغیر مثالی اور ہمہ گیر دائمی حیرت انگیز علمی وروحانی کشش وجاذبیت رکھی گئی تا کہ لوگوں کے دل قرآن کریم کی طرف کھنچے چلے آئیں

Scanned with CamScanner

اور آپ کی نبوت کا آفتاب عالم تاب اختتامِ دنیا تک روشنی بکھیرتا رہے اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایک پہچان علم و قلم اور تحقیق کے حوالے سے دنیا کے سامنے یہ آرہی ہے کہ آپ کی نبوت ہی سے دنیا میں حقیقی اور تحقیقی معنوں میں علم کی ہمہ گیر ضرورت و اہمیت اور افادیت سامنے آئی، اور آپؐ نے اپنی بعثت کی ایک غرض و غایت یہ بتلائی کہ میں دنیا میں علم پھیلانے کے لئے آیا ہوں، بعثت معلما، چنانچہ وحی محمدی کی شروعات ہی پڑھنے کے حکم سے ہوئی۔ اقراء باسم ربک الذی خلق۔

مسیح تاریخ کے اعتبار سے اس مادی دنیا میں نبی کریمؐ کی نبوت کا آغاز ڈسمبر 609ء میں ہوا، آپؐ نے کارِ نبوت کی انجام دہی کے لئے ادارہ کو مختص کیا جسمیں رونق افروز ہو کر لوگوں کو تعلیم دینے لگے۔ تعلیم کی اس جگہ کو مکہ مکرمہ کا پہلا مدرسہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، اس مدرسہ میں نبی کریمؐ اور حضراتِ صحابہ جمع ہوئے۔ آپؐ اور بعض صحابہ کرام کبھی کبھی مستقل قیام فرماتے، اس وقت پڑھنے والوں کے لئے خرد و نوشت کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ جمع ھو اصحابہ عند الارقم و بقرھم القرآن و بعلمھم۔ نبی کریمؐ صحابہ کرام کو قرآن پڑھاتے تھے اور دین کی تعلیم دیتے تھے (اخبار مکہ امام ابوالولید)

مدرسہ کے ساتھ لفظ دین کے الحاق اور اتصال سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ یہ وہ مدرسہ ہے جسمیں دین کی تعلیم و تدریس ہوتی ہے اسی کے ساتھ یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ دین کے لئے مدرسہ کا وجود ضروری ہے، اس کے نظام و قیام کے بغیر صحیح معنوں میں دین کی تعلیم اور اس کی حفاظت اور طالبانِ دین کی تزکیہ کا کام حسن و خوبی اور ضابطہ کے ساتھ ہو نہیں پاتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے آغاز ہی سے مدرسوں کے نظام اور قیام کا سلسلہ چل پڑا۔ بھلے ان کی شکل و حیت مختلف اور معتدد رہی نبی کریمؐ کی مکی زندگی کے ابتدائی دس سال نہایت پر آشوب گزرے جس کی وجہ سے مدرسہ کے مستقل وجود و قیام اور اس کی ظاہری شکلوں کی طرف توجہ دینے کا موقع مل نہ سکا، تاہم مدرسہ کا بنیادی اور باطنی پہلو جو قرآن کریم کو تعلیم تحفیظ اور املا سے متعلق تھا۔ اس پر آشوب دور میں بھی کبھی ضعف و اضحلال کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ سات نبوت سے لے کر دس نبوت تک تین سال شعب ابی طالب میں محصور اور مقید رہتے ہوئے بھی خانوادۂ نبوت کے اوراد اور حضراتِ صحابہ کی تعلیم کا سلسلہ متروک نہیں رہا۔

اس زمانے میں نبی کریمؐ کا یہ معمول رہا کہ جب بھی آپ پر قرآن کریم کی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپؐ پہلے صحابہ کی جماعت میں تلاوت فرماتے، پھر صحابیات کی مجلس میں تشریف لے جاتے اور سناتے اور سب مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیتے کہ ان آیتوں کو ازبر کرلو اور نمازوں میں پڑھو۔ اس وقت دو نمازیں تھیں، مدنی زندگی میں پانچ نمازیں ہوئیں۔ قرآن کی آیتیں نمازوں کا حصہ بن گئیں۔ حفظ قرآن کے عمل میں تیز رفتاری اور وسعت پیدا ہوگئی۔

نبوت کے گیارہویں سال بیت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت رافع

بن مالک بیت عقبہ اولیٰ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ قبیلہ بنوزریق کے سردار تھے، مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اپنے قبیلے والوں کو اسلام کی دعوت دی، کچھ لوگ ایمان لائے تو آپ نے اُن کو قرآن کی تعلیم دی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ نبی کریمؐ نے قرآن مجید کی اس وقت تک نازل شدہ سورتوں کا تحریری مجموعہ حضرت رافعؓ کے حوالے کیا۔ حضرت جابرؓ کا کہنا ہے کہ نبی کریمؐ کی مدینہ منورہ میں آمد سے پہلے ہی وہاں کی مقامی آبادی کا اسلام میں داخلہ شروع ہو گیا تھا۔ لقد لبثنا بالمدینة المنورہ قبل ان یقدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مستتین۔

نبوت کے بارہویں سال مدینہ منورہ سے کچھ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایمان سے مشرف ہوئے اور جب مدینہ واپس ہونے لگے تو نبی کریمؐ نے ان کی تعلیم و تدریس اور تربیت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت مصعبؓ حضرت اسعد بن زارہؓ کے مکان میں فروکش ہوئے اور اسی گھر میں مسند درس بچھادی، مدینہ منورہ کے باشندے انہیں المقری (پڑھانے والے استاد) کہا کرتے تھے۔ حضرت مصعب کی روانگی مدینہ کے وقت نبی کریمؐ نے ان کو تین باتوں کی ہدایت فرمائی۔ لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور ان کے اندر دین کی چشم اور بصیرت پیدا کریں۔ وامرہ ان یقرئھم القرآن و یعلمھم الاسلام و یفقھم فی الدین۔ (سیرت النبی حشام) حضرت اسعد بن زارہ کے گھر کو مدینہ منورکی اولین درسگاہ ہونے کا شرف ہوا۔

نبوت کے تیرہویں سال نبی کریمؐ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو آپؐ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی۔ یہی مسجد آج تک مسجد نبویؐ کے نام سے اپنی شناخت اور عظمت وفضیلت باقی رکھے ہوئے ہے، اسی مسجد سے متصل آپؐ نے ایک سایہ دار چبوترہ تعمیر فرمایا جس کی پہچان صفہ کے نام سے ہوئی۔ یہی صفہ مدرسۂ نبوی تھا اور یہی خانقاہ نبوی بھی۔ جس میں صحابہ کرام قیام پذیر ہوتے اور نبی کریمؐ سے تعلیم اور تزکیہ کی نعمت بہرہ ہوتے تھے۔ صفہ میں داخل ہونے والے طالبانِ علم مقامی اور بیرونی ہوا کرتے تھے، جن کی تعداد آئے دن بڑھتی ہی جارہی تھی یہاں تک کہ ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ (سیرت النبیؐ علامہ شبلی، جلد اول)

نبی کریمؐ نے صفہ میں تعلیم طلباء کے لئے خوردونوش کا انتظام کیا تھا۔ صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ مستقل طور پر صفہ ہی میں رہا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ ہی کو حضور اکرم کی حدیثیں سننے اور حفظ کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ہزاروں حدیثوں کو حفظ کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔ اسی لئے حدیثوں کے راویوں میں آپ کا نام سرفہرست رہا۔

نبی کریمؐ نے مردوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ان کے لئے ایک دن مخصوص کیا جس میں صرف عورتوں کو دین کے احکام اور مسائل سمجھاتے تھے۔ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری کتاب العلم)

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسئلہ میں ازواج مطہرات کا کردار بھی نہایت اہم رہا ہے انہوں نے اپنے حجروں ہی میں

Scanned with CamScanner

عورتوں کی تعلیم کا نظم وفسق قائم کر رکھا تھا۔حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ،حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحشؓ وغیرہ لکھنے پڑھنے میں خاصی استعداد رکھتی تھیں،جس سے مدینہ منورہ کی بچیاں اور خواتین نے علمی استفادہ فرمایا۔

طلباء کی غیر معمولی تعداد کے باعث صفہ اپنی تنگ دامنی کا اظہار زبان حال سے کر بیٹھے تو نبی کریمؐ نے ذی علم اور صاحب استعداد صحابہ کرام کو مختلف مقامات پر تعلیم وتدریس کی ہدایت دے دی،جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں مدرسوں کی تعداد بڑھنے لگی،دینی مدارس کے قیام ونظام کے پہلو سے عہد نبوت ایک حصہ دار اور منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔حرم مکی اور حرم مدنی سے علم دین کے جو چشمے ابل پڑے وہ ساری روئے زمین پر پھیل گئے۔چنانچہ تاریخ اسلامی کے مختلف اداروں میں تعلم و تدریس وتربیت وتزکیہ کی غرض سے دنیا جہاں کے شہروں میں مدرسوں اور دارالعلوموں کا ایک لا متناہی سلسلہ چل پڑا جو آج بھی جاری ہے۔اور یہ مدارس تاریخ کے کسی دور میں کسی ملک میں غیر معمولی طول وطویل مدت تک انقطاع کا شکار نہیں رہے اور امت مسلمہ کی نسل کی تعلیم وتربیت نے ایک مثالی کردار پیش کرتے رہے۔

جنوبی ہند میں درس وتدریس اور تعلیم تزکیہ کا عمل اس وقت شروع ہوا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین جنوب کے ساحلی شہروں میں آپہنچے۔جنوب میں عربوں کی آمد ورفت تجارت کی غرض سے صحابہ کی آمد سے پہلے بھی رہی۔ظہور اسلام کے بعد مسلمان عربوں کے اسفار میں تعلیمی اور دعوتی غرض حاوی رہی۔ریاست کیرلہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس علاقے کا حکمران راجہ زیمورالملقب چیرامن پیرمل،معجزۂ شق القمر دیکھ کر نبی کریمؐ پر ایمان لے آیا اور عبداللہ سمدری کے نام سے مشہور ہوا۔برصغیر ہند میں عبداللہ سمدری پہلے خوش بخت اور صاحب سعادت آدمی ہیں جو پہلے مسلمان ہیں۔قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمہ ریاست تمل ناڈو کے قدیم ترین شہر مدراس کے ساحلی خطہ کولم میں صحابی رسول حضرت تمیم انصاریؓ کی ابدی آرام گاہ،اور ملیبار کے تاریخی علاقہ اپچی لنگوڈ دسٹرکٹ کا سرگوڈ میں صحابی رسول حضرت مالک بن دینارؓ کی آخری قیام گاہ اپنی زبان حال سے یہ شہادت دے رہی ہے کہ سرزمین جنوب میں ان حضرات کرام کے قدوم اسلامیت لزوم سے اشاعت اسلام اور تعلیم دین اور تزکیہ نفس کی داغ بیل پڑی۔حضرت مالک بن دینار کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے لیکن تابعی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔خطۂ جنوب میں حضرات تابعین اور تبع تابعین نے مسجد میں تعلیم کی ہیں اور ان میں تعلیم اور تدریس کا آغاز کیا ہے۔اس خطہ علاقہ کو خوش قسمتی اور نیک بختی یہ رہی کہ صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے بعد صوفیہ اور اولیائے کرام نے یہاں اپنے قدم رکھے اور یہاں منتقل سکونت اختیار کی اور اپنی خانقاہیں بنائیں جس میں بیٹھ کر تعلیم وتزکیہ اور تدریس کا عمل شروع کیا اور اسکا دائرہ تاریخ کے مختلف ادوار میں پھیلتا چلا گیا۔جنوب میں اصحاب علم وعرفان کے علاوہ ارباب حکومت نے بھی تعلیم اور تدریس کی جانب اپنی شایانہ وفیاضانہ توجہات مبذول کیں اور مدرسوں وخانقاہوں کی تعمیرات شروع کردی۔

دکن کے بہمنی خاندان کے بادشاہ سلطان محمد شاہ بہمنی (وفات ۸۸۷ھ) کے وزیر اعظم علامۂ وقت خواجہ عمادالدین محمود گاواں (شہادت ۸۸۶ھ) نے اپنی شہادت سے دس سال پہلے ۸۷۶ھ میں بیدر شہر میں ایک عظیم الشان کوہ پیکر سہ منزلہ

Scanned with CamScanner

مدرسہ کی عمارت تعمیر کی اوراس میں طلباء اوراساتذہ کی مستقل رہائش کے لئے ایک خوبصورت وسیع وعریض دارالاقامہ تعمیر کیا اور مدرسہ میں مختلف علوم وفنون کی تدریس وتعلیم کے لئے مقامی وبیرونی لائق وفائق ممتاز وماہر اساتذہ کا تقرر کیا اور اساتذہ کی اونچی اونچی تنخواہوں کا اور دارالقامہ میں رہائش پذیر طلباء اور اساتذہ کے خورد ونوش کا عمدہ اور بہترین نظم ونسق اپنے حبیب خاص سے کیا۔ آج بھی بیدر میں محمود گاواں کا تعمیر کردہ مدرسہ موجود ہے بجلی کرجانے کے باعث صرف کچھ حصہ منہدم ہوا۔

علامہ محمود گاوان براہ راست امام حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد رشید تھے اور اپنی مختلف علوم وفنوں میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی اپنی وزارت عظمیٰ کی مصروفیتوں کے باوجود اپنے بنائے ہوئے مدرسہ میں مختلف علوم وفنوں کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مدرسہ کے اہتمام وانتظام اور تعلیم وتدریس کے لئے ایران کے شہرہ آفاق عالم وصوفی علامہ عبدالرحمن جامی (متوفی ۸۹۸) اور مشہور حروف عالم وفاضل اور محقق علامہ جلال الدین دوامی (۹۱۸ھ) بیدر تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت جامی نے معذرت خواہی کے ساتھ محمود گاوان وزیر اعظم بیدر کی شان میں ایک پرزور قصیدہ لکھ بھیجا اور علامہ جلال الدین دوانی نے طویل سفر سے اعراض کرتے ہوئے معذرت کی۔

بیدر حکومت کے وزیر اعظم محمود گاوان کے علاوہ بعض دیگر ارباب حکومت نے تاریخ کے مختلف ادوار میں دکن میں مدارس کو قائم کیا ہے۔ مثلاً دکن کے نظام شاہی سلطنت کے دارالحکومت احمد نگر میں سلطان برہان نظام شاہ (متوفی ۹۶۱ھ ۹۲۹ء) نے ایک مدرسہ کی تعمیر کی ہے اور اس کے لئے وسیع زمین وقف کی اور طلباء کے لئے وظائف مقرر کئے ہیں۔

عادل شاہی حکومت کے بادشاہ سلطان علی عادل شاہ (متوفی ۹۸۸ھ) نے بیجاپور میں علامہ میر فتح علی شیرازی (متوفی ۹۹۷ھ) کے لئے ایک شاندار مدرسہ تعمیر کیا۔ سلطان محمد عادل شاہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے بیجاپور میں مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک عالی شان عمارت تعمیر کی اور اس سے متصل ایک دارالقامہ تعمیر کیا۔ طلباء کے لئے نہایت عمدہ لذیذ کھانوں کا بندوبست کیا اور فی طالب علم ایک ھن (تولہ) وظیفہ مقرر کیا اور اساتذہ کو وقتاً فوقتاً گراں قدر عطیات سے نوازتا رہا۔ مدرسہ چارمینار حیدرآباد کے تعلق سے مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی کا بیان ہے کہ یہ مدرسہ محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۰۶ھ میں تعمیر کیا، جس میں طلباء کے لئے حجرے بھی تھے اور ان کے لئے شاہی خزانے سے بھاری وظائف مقرر تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ (متوفی ۱۰۸۳ھ) کی والدہ حیات النساء عرف بخش بیگم نے ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ حیات نگر سے موسوم رہا۔ اس مدرسہ کا سارا خرچ حیات النساء اپنے جیب خاص سے ادا کرتی تھیں اور یہ خرچ ماہانہ دو سو ھن تھا۔ (قدیم ہندوستان میں علوم دین کے سرچشمے)۔

دکن کی حکمرانی سلطانی کی باگ دوڑ جب سلاطین آصفیہ کے ہاتھوں میں آپہنچی تو انہوں نے دینی مدارس کو زمین سے آسمان کردیا، سرزمین جنوب میں سرکاری اور شخصی طور پر حکمرانوں اور نوابوں کی جانب سے مدرسوں کی تعمیر وترقی کی مثالیں کم ہی ہیں لیکن اس باب میں حضرات صوفیہ وعلمائے کرام کا حصہ نہایت وسیع وعریض ہے۔ اور اسکا تاریخی تسلسل بھی قائم

Scanned with CamScanner

ہے۔ان بوریہ نشین تارک الدنیا بزرگوں کے اخلاص وللّٰہیت اوراللہ پر توکل واعتماد کی برکت سے صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی جنوب میں ان کے قائم کردہ مدارس کا وجود ہے اوران کی دعاؤں کی برکت سے موجودہ وقت میں بھی مدارس کے قیام ونظام کا سلسلہ جاری ہے۔جنوبی ہند کے تاریخی شہر ویلوردارالسرور میں مدرسہ کی تاسیس کی اولین مثال ١١٤٠ھ میں ایک مرد با صفا حضرت سید شاہ عبدالطیف قادری بیجاپوری (متوفی ١١٤٩ھ) قائم کی ہے جو موجودہ کرناٹک کے تاریخی شہر بیجاپور سے ہجرت کر کے ١١٣٨ھ میں ویلور آپہنچے اوراپنے گھر سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔یہ جگہ آج بھی حضرت مکان کے نام سے موسوم اورمشہور ہے اوراس میں موجود مدرسہ تاریخ کے مختلف دور میں نشیب وفراز سے گزارا اور موجودہ وقت میں مدرسہ لطیفیہ کے نام سے اپنی پہچان قائم کررکھا ہے۔

دینی مدرسوں کی تاریخ میں ایک اہم ترین نازک مرحلہ انیسویں صدی میں سامنے آیا جس میں مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹمارہا تھا۔ہندوستان میں شمال کے حصہ پرانگریزوں کا غلبہ قریب قریب مکمل ہو چکا تھا،اس کے برعکس جنوب کے بعض حصے محفوظ رہے تو بعض حصوں پرانگریزوں کا بالواسطہ نیم تسلط قائم تھا۔١٨٠٦ء میں شمالی ہند میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا،جسکی وجہ سے وہاں مسلمان اور دوسری برادریاں متحدہ طور پرانگریزوں کے خلاف برسرپیکار ہوگئیں۔بعض علماء نے اس فتویٰ سے اختلاف کیا جن میں حضرت میاں جی نورمحمد جھنجھاولی کے خلیفہ حضرت مولانا شیخ محمد کا نام نمایاں ہے۔اس پہلو سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے نقش حیات،جلد دوم میں لکھا ہے۔"مولانا شیخ محمد کی رائے یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا ہم مسلمانوں پر فرض تو درکنار موجودہ ماحول میں جائز ہی نہیں ہے(چنانچہ تھانہ بھول میں اکابر علماء کا ایک اجتماع بلایا گیا جس میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ شریک تھے)اجتماع میں حضرت نانوتوی نے نہایت ادب سے مولانا شیخ محمد صاحب سے پوچھا کہ حضرت!کیا وجہ ہے ہے کہ آپ دشمنان دین ووطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرمائے۔تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔

جنوب میں بھی انگریزوں کے خلاف عداوت اور مخالفت کا ماحول اس وقت پیدا ہو گیا جب ایک انگریز فوجی افسر اعلیٰ نے ١٤ نومبر ١٨٠٥ء کو یہ حکم جاری کیا،جس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب اوران کے شعائر پرضرب کاری لگ رہی تھی(وہ حکم یہ تھا مسلمانوں کو داڑھی رکھنے پر پابندی اور ہندوؤں کو پیشانی پر ٹیکہ لگانے پر پابندی اور دونوں کو صلیب کے استعمال کی تاکید)جس کی وجہ سے ٤ جولائی ١٨٠٦ء کوانگریزوں کے خلاف ویلور میں ایک لڑائی ہوئی۔اس وقت قلعہ ویلور انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ہندوستانیوں نے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور یونین جاک اتار دیا اور ہندوستانی جھنڈا لہرا دیا۔لیکن ہندوستانیوں کا یہ تسلط وقتی اور عارضی ثابت ہوا۔کلپن بک نے آگ برسانے والی توپوں سے قلعہ پر حملہ آور ہو گیا۔ہندوستانی سپاہیوں کے پاس اسلحہ کی غیر معمولی کمی تھی۔توپوں کے حملہ سے عاجز اور بے بس ہو گئے،قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا

Scanned with CamScanner

انگریز دوبارہ قلعہ پر قابض ہو گئے۔اس لڑائی میں ۸۰۰ ہندوستانی فوت ہوگئے اور ۷۰ انگریز ہلاک ہوئے۔اس قلعہ کے سامنے حضرت قطب ویلور کا مکان رہا انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ ہلاکت خیز اور تباہ کن منظر دیکھا، شاید یہی منظر آپ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔جب آپ کی خدمت میں فوج کے ایک اعلیٰ مسلمان افسر منشی محمد ابراہیم نے انگریزوں کے حربی ہونے اور ہندوستان دارالحرب ہونے کی صورت میں ہند سے ہجرت کرنے اور اس میں سکونت پذیر رہنے سے متعلق متولی طلب کیا آپ نے یہ جواب دیا۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انگریزوں کے عمل اور رویہ کی بنیاد پر ہندوستان کو قول راجح کی بنیاد پر دارالحرب قرار دیا ہے۔یہ ساری تفصیلات آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔انگریزوں کا حربی ہونا یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے جو علمائے کرام انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔اور جو علمائے کرام انقلاب حکومت کو جائز سمجھتے ہیں ان میں بھی ایک بڑی جماعت کا موقف یہ ہے کہ انگریزوں کی حکومت اور ان کی پالیسی سے ہندوستان دارالسلام سے دارالحرب کی طرف ہرگز منتقل نہیں ہوا ہے۔لہٰذا اجہاد فرض نہیں ہوا۔اختلافی امور و مسائل میں اگر چہ کہ اجتناب کرنا قول راجح اور صحیح ہو تب بھی تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور کسی مجتہد کا قیاس اگر چہ کہ خطا پر مبنی ہو اور رجوع ہو تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان دائرۂ شریعت سے خارج نہیں ہوتا۔فتویٰ ایک چیز ہے لیکن تقویٰ بھی تو ایک چیز ہے۔دارالحرب میں سکونت کے جواز اور عدم جواز کی تفصیل مستند تفاسیر میں دیکھ لیجئے۔(مکتوبات فارسی از حضرت قطب ویلور)

حضرت قطب ویلور نے یہ دیکھا کہ جنوب کے مسلمانوں میں اسلحہ کی بڑی کمی ہے اور ان کے اندر عمومی سطح پر جنگی تربیت اور صلاحیت نہیں ہے، جیسا کہ ویلور میوٹنی غدر ویلور کا منظر اور اسکا نتیجہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔علاوہ ازیں اس خطہ میں انگریزوں کا ایسا ظلم و تشدد اور تعصب نہیں تھا جیسا شمال میں تھا۔انہی بنیادوں اور خطوط پر مذکورہ فتویٰ حالات کے زیر اثر صادر فرمایا۔

انیسویں صدی کا یہی وہ زمانہ تھا جس میں ہندوستان گیر پیمانے پر دینی مدرسوں کا قیام عمل میں آیا تا کہ ملت اسلامیہ کی نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت ہو سکے۔حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے تین نامور خلفاء میں سے ایک خلیفہ شیخ السلام فضیلت جنگ خان بہادر حضرت علامہ شاہ محمد انوار اللہ فاروقی (متوفی ۱۳۳۶ھ) نے ۱۲۹۲ھ میں حیدرآباد میں جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی اور دوسرے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) نے ویلور میں مدرسہ باقیات الصالحات کی بنیاد رکھی اور تیسرے خلیفہ حضرت مولانا محمد قاسم ابن اسد علی نانوتوی نے شمالی ہند کے ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ دیوبند میں حاجی عابد حسین کا قائم کردہ (۱۲۸۳ھ) مکتب کو مدرسہ کی شکل دی۔آج وہی مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے اپنی شناخت رکھتا ہے اور آج یہ تین عظیم درسگاہیں جامعات کی شکل اختیار کر گئی ہیں اور ان کا عملی فیضان ہر سو پھیل رہا ہے۔انیسویں صدی کے اواخر میں حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری (متوفی ۱۱۳۹ھ) کی پانچویں پشت میں

Scanned with CamScanner

حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری نے اپنے جد اعلیٰ حضرت عبدالطیف کی قائم کردہ خانقاہی وشخصی مدرسہ (۱۱۴۰ھ) کی جدید تشکیل ۱۳۰۳ھ میں کیا اور اسے مدرسہ لطیفیہ کا نام دیا۔ ۱۳۱۱ھ میں اس مدرسہ کے فارغین وفاضلین کی پہلی جماعت کی دستار بندی کا جلسہ ہوا میں اس موقعہ پر مدرسہ کی جدید کاری اور عصری ہم آہنگی کے متعلق حضرت رکن الدین معمار نشاۃ ثانیہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اسکی صدائے بازگشت موجودہ دور میں سنائی دے رہی ہیں۔ یہ تقریر روداد مدرسہ لطیفیہ شعبان ۱۳۱۱ھ مطبوعہ میں درج ہے۔

''طلباء کے لئے ایک صیغۂ انگریزی اس مدرسہ سے متعلق کیا جائے انگریزی تعلیم ،درجۂ کفر تک پہنچاتی ہے، یہ ہرگز نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی ایک زبان ہے، متعدد زبانوں کا سیکھنا اور اس میں کمال پیدا کرنا، کمالات انسانی میں شمار کیا جاتا ہے تو ہمارے ملک ہندوستان میں بودوباش کے لحاظ سے اور معاشی امورات کے سرانجام دینے اور اظہار رحوائج اور مطالب کی غرض سے اور ہمارے دین حق پر مخالفین اور معاندین کے حملوں کے دفاع کے نیت سے انگریزی تعلیم کوئی بری نہیں ہے بلکہ نہایت ضروری اور لازمی ہے، علم کیا ہے، انسان کی موروثی متاع ہے۔ علم نہیں تو میراث نہیں، علم نہیں تو دولت نہیں، علم نہیں تو دنیا نہیں، علم نہیں تو آخرت بھی نہیں۔ مدرسہ میں ایک حکیم بھی ایسا رکھنا چاہئے جس کو یونانی اور انگریزی طبابت سے بھی واقفیت ہو۔ اور وہ طبیب جن طلبا کو فن طب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے ان کو اس علم کو تعلیم دیا کرے تاکہ وہ لڑکے اس شریف علم کی بدولت عزت کے ساتھ اپنی روزی پیدا کرلیں اور لوگوں کو بھی نفع پہنچائیں''۔

حضرت رکن الدین کے ہم فکر اور ہم نوا حضرت مولانا نانوتوی فخرالدین مہکری ویلوری نے تعلیم سے متعلق اپنے جن گراں قدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ بھی آپ ملاحظہ کیجئے۔ ''میں آپ بزرگوں کی خدمات میں شمس العلماء حضرت رکن الدین کے ارشاد کی تائید میں کچھ عرض کروں گا۔ جس طرح دینی علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح دنیوی علم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے، آج کل ہم کو اور ہماری اولاد کو دینی علم کے علاوہ دنیوی علم کا جاننا اشد ضرورت ہے جس کا زمانہ میں رواج ہے، اور جس کے جاننے بغیر انسان کی دینی دنیوی ضرورتیں اور دینی ودنیاوی فرائض پورے ادا نہیں ہوسکتے۔ اس زمانے میں انگریزی تعلیم حاصل کرنا بقدر ضرورت واجب ہے اس زمانے میں بغیر انگریزی جاننے کے، دنیا کے کاروبار نہیں چلتے، جب تک یہ طلباء انگریزی نہیں جانیں گے، دنیا کے سامنے اسلام پہل نہیں کرسکتے پھر وہ بھاری کام، نشر اسلام کا ہاتھ نہ آئے گا، جس کے طفیل میں، ہمیں خیرامت کا طمغہ ملا ہے، آپ بزرگوں کو یہ ترغیب دیتا ہوں کہ جس طرح ہمارے طلباء مشرقی علوم میں کامل مہارت حاصل کرکے تحصیل (عالمی کی سند لیتے ہیں ایسے ہی مغربی علوم میں انہیں اعلیٰ درجہ کی سند دلائی جائے جو موجودہ زمانے میں اسلام کو ایسے ہی طالب علموں کی ضرورت ہے، جو مشرقی اور مغربی علوم میں کامل مہارت حاصل کئے ہوئے ہوں تعلیم سے بہت لوگ غلطی کرکے فقط مردوں کی تعلیم مراد لیتے ہیں، یہ ان کی سراسر غلطی ہے، علم معاد او علم معشیت کی ذمہ داری میں مرد اور عورت دونوں برابر کا حق رکھتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ مرد علم کے زیور سے

Scanned with CamScanner

آراستہ ہوں، اورعورت محروم رہے، ہم اسلامی تاریخ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگلے زمانے میں عورتیں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔(روداد مدرسہ لطیفیہ ویلور شعبان ۱۳۱۱)

مدرسہ لطیفیہ (تاسیس ۱۱۴۰) کی نشاۃ ثانیہ (۱۳۰۲) کے موقعہ پر حضرت رکن الدین صاحبزادہ حضرت قطب ویلور نے انگریزی زبان اور ضروری ومفید جدید تعلیم کے حوالہ سے جو باتیں کہی ہیں وہ دراصل ان کے اولد بزرگوار حضرت قطب ویلور کے فکر وعمل اوران کے مزاج ومنہاج کی ترجمانی اور عکاس تھیں، حضرت قطب ویلور نے اپنی پیرانہ سالی میں انگریزی زبان سیکھی اوراس میں لسانی اورتحریری کام کیا، آپ نے اپنے دور میں یہ محسوس کیا اور بچشم خود دیکھا کہ ہندوستان میں عیسائی اپنے عقائد اور افکار پھیلا رہے ہیں، اور وقت کی برسر اقتدار حکومت اس کام میں معاون بنی ہوئی ہے تو آپ نے اس فتنہ کے انسداد کے لئے اپنے آپ کو ذہنی اور لسانی طور پر تیار کرلیا، براہ راست انگریزی زبان میں عیسائی لٹریچر کا مطالعہ کیا اور ان کے معتقدات کا جائزہ لیا اوراس پر ہر طرح قدح کی اوران کے تضاد پر مبنی افکار اور تناقص سے لبریز آراء وعقائد کی نشاندہی کی تو خود عیسائی اہل علم حیران رہ گئے اوران سے اعتراض کا کوئی جواب بن نہ پایا۔اوران کی طرف سے کوئی مدافیت نہ ہوسکی۔مولانا عبدالحی واعظ بنگلوری اپنی تاریخی مثنوی مطلع النور میں اس پہلو کی وضاحت کی ہے۔

عیسوی دین کے کتب اے ذکی جو کہ ہیں در زبانِ انگریزی
کرکے ان کا مطالعہ اکثر جرح کرنے لگا بہت جا پر
تا بحد یکہ و یک سوال تین سو تک تناقص ان سے نکال
تین سو اعتراض بھی لکھا دیکھ حیران ہو گئے علماء

افسوس تو یہ ہے کہ عیسائیت کی تردید میں آپ کے قلم سے صادر شدہ تحریریں ہنوز دست رس سے باہر ہیں۔حضرت قطب ویلور نے انگریزی میں غیر مسلموں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کا فرض کفایہ بھی ادا کیا۔شاید غیر منقسم ہندوستان کے اندر انیسویں صدی میں ایسی مثال کسی عالم دین نے پیش نہیں کی، آپ نے اپنے زمانے کی حکمران کوئن وکٹوریہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تاکہ ملکۂ برطانیہ کا قبول اسلام عوام کے اسلام قبول کرنے کا باعث بن جائے۔مولانا حکیم سید عبدالحیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو نے اپنی عربی تصنیف نزھۃ الخواطر میں لکھا ہے، حضرت قطب ویلور نے بڑھاپے میں انگریزی زبان پڑھی اوراسی میں ملکہ برطانیہ کو دعوت اسلام کا مکتوب روانہ کیا۔

ہندوستان میں مختلف اور متعدد زبانیں بولی سمجھی اور پڑھی لکھی جاتی ہیں، ان زبانوں میں غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پیش کرنا بھی علمائے کرام کی ایک اہم ترین ذمہ داری ہے جو نبی کریمؐ کی جانب سے خصوصی طور پر عائد کی گئی ہے۔اس پہلو میں بھی حضرت قطب ویلور نے اپنا فرض منصبی حسن وخوبی کے ساتھ نبھایا اوراس کام کو انجام دینے کے لئے اخبارات کی ضرورت واہمت وافادیت کو بھی محسوس کیا۔چنانچہ اپنے ایک خلیفہ مولانا میر ابراہیم رضوی کے نام روانہ کردہ مکتوب میں لکھتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ بکمال نرمی و آشتی و عزت و احترام بالواسطہ مردانِ لائق دعوت نامہ روانہ فرمایند۔ کار ایں ست وغیر ایں ہمہ ہیچ۔

غیر مسلموں کی خدمت میں کمالِ نرمی و آشتی اور عزت و احترام کے ساتھ لائق و فائق علماء کے ذریعہ دعوت اسلام کے مکتوب روانہ کرو۔ دو قطعہ دعوت نامہ درزبان انگریزی، تلنگی، اروی (تمل) مرہٹی، راجپوتی وغیرہ دراخبارات تامجات مشتہر سازند۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے غیر مسلم باشندوں کو ان کی علاقائی مادری زبان میں اسلام پہچانے کا انتظام مشہور اخبارات کے ذریعہ کرو، یہی کام تو اصل ہے باقی سب ہیچ ہے۔

انیسویں صدی کا دور خصوصی طور پر مسلمانان ہند کے لئے پر آشوب رہا، لیکن اس کی پر آشوبی میں بھی ان کی تعمیر اور ترقی کے اسباب چھپے ہوئے تھے۔ جن کی طرف عوام کا ذہن اور بڑی حد تک خواص کا ذہن بھی مبذول نہ ہو سکا۔ اور سبھی اس علمی و سیاسی اور لسانی انقلاب کو سراپا نقصان وخسران سمجھنے لگے۔ ظاہری طور پر شر ہی صحیح باطنی طور پر خیر رہ سکتا، اس رخ پر توجہ نہ ہو سکی ،اس نوع کے واقعات سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے کہ فتنے کس طرح سر اٹھائے پھر وہ کیسے خیر کا روپ دھار لئے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا زیادہ تر تعلق فارسی زبان اور مذہبی تعلیم سے تھا اور ان کی اکثریت انگریزی زبان سے نابلد تھی، علماء کی بڑی تعداد بھی انگریزی سے دور دور تھی اور وہ اپنی دینی تعلیمی تدریس اور تحریری سرگرمیاں فارسی ہی میں جاری رکھے ہوئے تھے، اور کس حد تک اردو زبان میں بھی تحریری کام کو انجام دے رہے تھے۔ شمالی ہند میں مولانا سرسید احمد خان پہلے عالم دین تھے جنہوں نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور اس میں موجود علم وفن کی تحصیل کی طرف ترغیب اور تحریص دلائی، لیکن وہاں کے مسلمانوں نے اس جانب فوری توجہ نہ دی بلکہ سرسید تحریک کی پرزور مخالفت کی، سرسید کی فکر یہ تھی کہ قدیم نظام تعلیم وقت کے نئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا، اُس کو بدلنے کی ضرورت ہے اور اسے وقت کے مفید تعمیری اور فلاحی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ یورپ کے سائنسی اور صنعتی انقلاب نے زندگی کے نظام کو بدل کر رکھ دیا ہے، اس کے ساتھ ہمیں بھی اپنے تعلیمی نظام اور طرزِ فکر کو بدلنا ضروری ہے ورنہ ہماری نئی نسل زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گی۔

سرسید شخصیت کا ایک کمزور پہلو یہ تھا کہ ان سے بعض بنیادی دینی عقائد میں ہوا اور لغزش ہو گئی جس کا حضراتِ علماء نے علمی و دینی احتساب کیا جو ایک اہم دینی فریضہ تھا لیکن اس فریضہ کی ادائیگی میں توسط و توازن برقرار نہیں رکھا گیا۔ سرسید کی ذات کو اور ان کے تعلیمی مشن کو الگ الگ کرنے کی ضرورت تھی، سرسید کی دینی فکر کو ان کے تفردات پر محمول کیا جاتا اور اس جانب اعتناد اور التفات نہ کیا جاتا بلکہ سرسید کی تعلیمی رجحانات اور خیالات کی جانب التفا کیا جاتا تو مسلمانوں کے لئے ایک روشن پہلو سامنے آجاتا اور وہ جدید علم وفنون کی دنیا میں اپنا مقام اور مرتبہ متعین کر لیتے۔

سرسید کو بھی مذہبی عقائد کے پہلو سے اپنی لغزش اور خطا کا احساس تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے دینی عقائد اور افکار کی ترویج وتشہیر نہیں کی یہاں تک کہ ایسے خیالات کو قائم کردہ کالج کے نصاب میں داخل اور شامل نہیں کیا، بلکہ دینیات کی تعلیم مروجہ قدیم دستور کے مطابق رکھی جیسا کہ یہ پہلو ان کے مضامین سے واضح ہوتا ہے۔ انگریزی اور جدید تعلیم کی

Scanned with CamScanner

ہیت سے جنوب کے مسلمانوں کی روش شمال کے مسلمانوں سے مختلف اور جداگانہ رہی، یہاں مسلمان اس میدان میں بہت پہلے قدم رکھ چکے تھے اور یہ پیش قدمی قطب ویلور اور ان کے خلیفہ شمس العلماء شاہ عبدالوہاب صاحب اور حضرت قطب ویلور کے خلف رشید شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین اور ان کے ہم عصر رفیق اور مصائب حضرت مولانا محمد فخر الدین مہکری وغیرہ کی مرہون منت ہے۔اس باب میں حیدر آباد کو سابقین اولین کا افتخار اور اعزاز حاصل ہے۔

۱۸۴۲ء سلطنت عاصفہ کی زیرنگرانی نظام میڈیکل اسکول قائم ہوا، ۱۸۸۷ء میں نظام کالج قائم ہوا۔۱۸۹۹ء میں نظام کالج آف لاء قائم ہوا، نواب میر محبوب علی خان کے دورِ اقتدار میں تعلیمات وغیرہ کے محکمہ میں کافی اصلاحات اور ترقیات ہوئی۔نواب میر عثمان علی خان آصف جاہ ہفتم کا دورِ حکومت جو ۳۷ سال پر پھیلا ہوا ہے انہوں نے دینی تعلیم اور عصری تعلیم دونوں کو بڑی وسعت دی، دیہاتوں میں ابتدائی تعلیم کے دینی مدرسے قائم کیے، اضلاع میں ہائی اسکول قائم کیۓ اعلیٰ اور ثانوی درجہ میں ذریعہ تعلیم اردو زبان رہی، دفتروں کی زبان فارسی کی جگہ اردو قرار دی، پہلی مرتبہ ہندوستان میں ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جس کا ذریعہ تعلیم از ابتداء تا انتہا اردو رہا اور ہر مضمون میں اردو رہی۔یہ وہی یونیورسٹی ہے جو آج جامعہ عثمانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

حاصل کلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے باب میں جو وسعت و جامعیت اور ہمہ گیریت عطا کی ہے، ایسی نظیر اور مثیل دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔خواہ وہ آسمانی ہو یا انسانی۔آپؐ نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ علم دین کے ساتھ ہر زمانے میں پیدا ہونے والے مفید اور ضروری علوم اور فنون کو حاصل کرو اور متاع علم و ہنر جس سے ملے جہاں سے ملے حاصل کرو اور اس جذبہ و شوق اور محنت و مشقت سے حاصل کرو گویا وہ تمہاری گم شدہ متاع ہے اور تم ہی اس کے حقدار ہو ، اور اس دولت علم کو پانے کے لئے تمہیں دنیا کے دور دراز ملکوں کا سفر کرنا پڑے تو اپنے وطن سے نکل جاؤ اور علم حاصل کرو۔

موجودہ وقت میں ضروری ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم حاصل کی جائے ,لیکن عمومی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی تعلیم کی طرف آئے دن رجحان اور میدان کم ہی ہوتے جا رہے ہیں۔اور دنیاوی علم کی طرف غیر معمولی محنت و رقبت دکھائی دے رہی ہے،اور ہماری نئی نسل جدید تعلیم اور اعلیٰ ڈگریوں سے سرفراز ہو رہی ہے۔لیکن ایمانیات اور اخلاقیات سے دور ہوتی جا رہی ہیں جو ملت اسلامیہ ہند کے لئے ایک عظیم المیہ ہے۔دینی مدرسوں میں عصری تعلیم کی آواز زور وشور سے بلند ہو رہی ہے۔حالانکہ یہ غیر ضروری صدا ہے، دینی مدارس بقدرِ ضرورت ضروری و مفید دنیوی تعلیم کو اپنے نصاب میں جگہ دے رکھے ہیں، آج ضرورت تو اس بات کی ہے عصری تعلیم گاہوں میں دینی تعلیم کا نسق و نظم قائم کیا جائے تاکہ وہاں سے نکلنے والی نئی پود اعلیٰ ڈگریوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق اور انسانی کردار کی پیکر اور مجسم نظر آئے۔

وما علینا الا البلاغ

Scanned with CamScanner

جواھر القرآن

واذ لقو الذین قالو اٰمنا

ازمولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی
یم اے پی ایچ ڈی، استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور

سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت میں منافقین کے طرز عمل کو بیان کیا گیا ہے، جب یہ لوگ مسلمانوں کے پاس پہنچتے ہیں تو ان سے یہ کہتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں اور آپ کا حصہ ہیں، اور جب اپنے گروہ کے پاس پہنچتے ہیں تو ان سے یہ کہتے ہیں ہم آپ ہی کا جز ہیں اور آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ اور ان مسلمانوں کے ساتھ ہمارا جو رویہ ہے وہ ہمارا ایک ظاہری رخ ہے اور اسکی حیثیت محض ایک تمسخر اور استہزاء کی ہے، منافق کا لفظ نفاق سے نکلا ہے اور اسکی جمع منافقین ہے، منافق کے لئے عربی میں دو لفظ ملتے ہیں ایک ذو اللسانین ہے دو زبان والا شخص، اور دوسرا ذو الوجہین دو چہرے والا آدمی۔ اسکی زبان جیسے دو رخی ہوتی ہے ویسے ہی اس کا چہرہ بھی دو رنگی ہوتا ہے، نفاق یہ ہے کہ آدمی ایک شخص کے سامنے اسکی تعریف کرے اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرے اور جب اسکے پاس سے چلا جائے تو اسکی برائی اور ہجو کرے، شریعت مطہرہ میں دو رخی لب ولہجہ انتہائی نا پسندیدہ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ برا اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اسکی زبان کچھ ہوتی ہے پھر دوسرے لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اسکی زبان کچھ اور ہی ہوتی ہے اور اسکا کردار اور طرز عمل بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا اسکی زبان ہوتی ہے اور قیامت کے دن اللہ کے پاس ایسے آدمی کے برے ہونے کا اعلان کیا جائے گا، چنانچہ قرآن نے اس منافقانہ رویہ کی صراحت ان لفظوں میں کی ہے۔ واذا لقوا الذین قالو اٰمنا واذا خلوا الی شیٰطنیھم قالو انا معکم انما نحن مستھزئون

جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شیاطین سے اکیلے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، مسلمانوں سے تو ہم محض مذاق کر رہے ہیں

صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بعض حضرات سے کہا، ہم لوگ امراء اور حکام کے پاس جاتے ہیں تو کچھ کہتے ہیں اور جب ان کے یہاں سے نکلتے ہیں تو کچھ کہتے ہیں، فرمایا ہم لوگ عہد رسالت میں اس کا شمار نفاق میں کرتے تھے

Scanned with CamScanner

جیسا کہ یہ روایت امام بخاری نے نقل کی ہے ما قیل فی ذی الوجہین دنیاوی اعتبار سے کس آدمی کی دوزبانیں کتنی ہی سودمند کیوں نہ ہوں لیکن اس طرز عمل پر عذاب کی وعید ایک حدیث میں سنائی گئی ہے کہ دنیا میں جس شخص کے دورخ ہوں گے، قیامت کے دن اسکے منہ میں آگ کی دوزبانیں ہوں گی۔

مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ نبوی دور میں منافقین کی نشاندھی نہ ہوسکی غالباً اسکی بڑی وجہ یہ تھی مکہ مکرمہ میں جو قبائل موجود تھے ،ان میں سے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے اور وہ مومنین کے نام سے جانے پہچانے گئے اور کچھ لوگ اعلانیہ طور پر نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے لگے اور وہ کافرین کے نام سے جانے گئے یہاں کی آبادی میں دو ہی گروہوں کی شناخت اور پہچان نمایاں رہی مومنین اور کافرین ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارض مدینہ پہنچے تو یہاں کے باشندوں میں یہودی، عیسائی اور کافر مشرک تھے، اور کچھ لوگ وہ تھے جو آپکی آمد مدینہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے آپؐ یہاں پہنچنے کے بعد مکہ کے مقابلے میں یہاں کے لوگ تیزی سے اسلام میں داخل ہونے لگے، جن میں اوس اور خزرج قبیلہ کے لوگ ممتاز رہے، یہاں مومنین اور مسلمین مدینہ منورہ کی سیاسی اور سماجی زندگی پر حاوی ہوتے چلے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت اور غلبہ قوت اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد واتفاق یہاں کی غیر مسلم آبادی بالخصوص یہود کے لئے نہاں گراں ہونے لگا۔ دوقوتیں اصحاب ایمان اور ارباب کفر کے حوالے نمایاں ہونے لگیں اور ایک دوسرے کے مقابل ہوگئیں۔اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے اپنے لئے سلامتی اور بھلائی کی راہ اس میں دیکھی۔ایک طرف سے کہ مسلمانوں کی صف میں شامل ہوجائیں اور دوسری طرف سے مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل جھل کر رہیں۔اور دونوں طرف سے فائدہ حاصل کرتے رہیں اور دونوں جانب سے پیدا ہونیوالے خطرات سے محفوظ رہ سکیں۔اس قسم کے لوگ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف واکناف کے قریوں میں رہے۔ان کے نفاق کی صحیح صورت اس وقت نمایاں ہوئی جب ایک جنگ میں تمام مسلمانوں کی شرکت لازمی قرار پائی تو ان منافقوں کو فکر و پریشانی لاحق ہوگئی جو صرف منافع اور فائدہ کی سوچ لئے ہوئے مسلمانوں کی صف میں شامل ہوگئے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر جہاد سے دامن بچانے کے لئے عذر پیش کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیان کردہ ظاہری عذروں کو قبول کرلیا اور ترک جہاد کی اجازت دے دی لیکن آپؐ بخوبی سمجھ گئے کہ یہ لوگ دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں، آپ اعراض کیا اور کوئی تقارض نہیں کیا۔ یہاں تک غزوہ تبوک کے موقع پر ان کا دورخی کردار طشت ازبام ہوگیا۔اس زمانے میں منافقین نے قبا کے علاقہ میں ایک مسجد تعمیر کی اور ان کا ایک وفد نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کی مسجد قبا تنگ ہوتی جارہی ہے۔دور دراز بسنے والے بہت سے لوگوں کو جن میں ضعیف اور بیمار ہیں مسجد قبا آنے میں دشواری ہورہی ہے اس صورت حال کے

Scanned with CamScanner

پیش نظر ہم نے یہ دوسری مسجد تعمیر کی ہے تاکہ مسلمانوں کو سہولت اور آسانی حاصل ہو سکے۔ آپ ایک مرتبہ اس مسجد میں تشریف لے آیئے اور امامت فرمایئے تو بڑی برکت حاصل ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے وعدہ فرمالیا کہ اس وقت غزوہ تبوک کے لئے سفر درپیش ہے وہاں سے واپس کے بعد مسجد میں نماز ادا کروں گا۔ منافقین نے بارگاہ رسالت میں تعمیر مسجد کے جو اغراض اور مقاصد بیان کئے تھے وہ سب جھوٹ پر مبنی تھے، حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس مسجد کا تاریخی اور سیاسی پس منظر یہ تھا کہ جب نبی ﷺ ارض مدینہ پہنچے اور مستقل سکونت اختیار کی تو اس وقت ایک عیسائی عالم ابو عامر راہب خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام پر مختلف اور متعدد اعتراضات کیا آپؐ نے تمام کے جوابات تشفی بخش دیئے لیکن اسکے دل میں روز اول ہی سے اسلام اور نبی ﷺ کی ذات قدسی صفات کے بارے میں حد درجہ بغض عناد اور دشمنی تھی۔ اس جباثت قلبی اور کثافت ذھنی کے باعث مجلس نبویؐ میں یہ کہتے ہوئے چلا گیا، اے محمد ﷺ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمنی آئے گا میں اسکی پوری پوری مدد کرتا رہوں گا۔ چنانچہ ہجرت کے پہلے سال سے لے کر نویں سال تک جتنی بھی جنگیں ہوئیں وہ برابر میدان جنگ میں کافروں کا معاون و مددگار بنا رہا، یہاں تک روم کے بادشاہ قیصر کو بھی اس بات پر آمدہ کرنے کی پوری کوشش کیا کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرے اور وہاں سے مسلمانوں کو باہر نکال دے اس مقصد کی تکمیل کے لئے منافقین کو اپنا الرکار بنالیا اور ان پر واضح کردیا کہ میں اس بات کی کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ قیصر روم مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو جائے لیکن اس کام کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگوں کے اندر اجتماع قوت ہو اور وقت آنے پر تم قیصر کی پوری طرح سے مدد کر سکو، اس منصوبہ بندی کو پوشیدہ اور مخفی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تم مدینہ منورہ میں ایک مسجد تعمیر کرو جس میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف جو کاروائی کرنی ہے، اسکے لئے باہم مشورے کرتے رہو، مسجد میں اکھٹے ہونے اور خفیہ بات چیت کرنے میں تم لوگوں پر کسی کو شبہ نہیں ہوگا نبی کریمؐ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچے اور ایک جگہ قیام پذیر تھے کہ آپؐ پر وحی کا نزول ہوا اور آپ کو یہ ھدایت دی گئی کہ اس مسجد میں ہرگز ہرگز قدم نہ رکھیں لاتقم فیہ ابدا ،اس کے ساتھ تعمیر مسجد کے پیچھے جو اغراض و مقاصد چھپے ہوئے تھے ان کی نشاندھی کی گئی۔ والذین اتخذوا مسجد ضرارا وکفرا وتفریغام بین المومنین وارصاداًلمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولحیلقن ان اردنا الالحسنیٰ واللہ یشھد انھم لکذبون (توبہ ۱۰۷ آیت)۔ ایک مقصد یہ تھا کہ اس میں بیٹھ کر مسلمانوں کو تباہی و بربادی کی صورتیں سامنے لائی جائیں اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگی منصوبے بنائے جائیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف انتشار پیدا کیا جائے جس سے ان کا باہمی اتحاد اور اتفاق ختم ہو جائے اور تیسرا مقصد یہ تھا اس شخص (ابو عامر راہب نصرانی) کے

Scanned with CamScanner

لئے کمین گاہ ہو جو اللہ اور رسول کا مخالف ہے، اور یہ منافقین اپنا مکر وفریب کھل جانے کے بعد آپ کی خدمت آ پہنچیں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے، خدا کی قسم اس مسجد کی تعمیر میں خیر اور بھلائی کے سوا ہماری اور کوئی ہی نیت ہی نہ تھی، اللہ گواہی دے رہا ہے کہ بے شک وہ سب جھوٹے ہیں اس پر فریب سازش کے بے نقاب ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہ مسجد ڈھادی جائے اس میں دورائے نہیں کہ منافقین اسلام وذات محمدیؐ اور حضرات مخلص وجان نثار صحابہ کرام کے لئے مار آستین سے کچھ کم نہ تھے، اور ان کے تعلق سے جو سب بڑی مصیبت اور آفت یہ تھی کہ یہ گروہ اہل ایمان کا لبادہ اوڑھے ہوئے پیروان محمدیؐ ہی شامل ہو گیا تھا، تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں کے پرت آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے جس کی آگہی حضور اکرم ﷺ کو وقتاً فوقتاً وحی کے ذریعہ ہونے لگی، اور کئی مقامات اور احوال ایسے سامنے آتے چلے گئے جن کے ذریعہ منافقین کا اصلی چہرہ سامنے آتا رہا، اس پہلو سے دو شخص ابو عامر راھب نصرانی اور عبداللہ ابن اُبی ان کی تاریخ کا ایک کھلا ہوا باب ہے۔ ابن اُبی، ابو عامر سے کہیں زیادہ طاقت ور اور سیاسی قوت کا مالک تھا جسکی ہلاکت خیزیوں کی تاریخ نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ سے شروع ہوئی اور غزوہ بنی مصطلق بلکہ کسی درجہ میں اسکے بعد بھی چلتی رہی، قبیلہ خزرج اور قبیلہ اوس یہ دونوں مدینہ منور کے قدیم اور سماج میں نہایت موثر ومضبوط قبیلے تھے اور باہم ایک دوسرے کے حریف بھی، ابن ابی قبیلہ خزرج کا سردار تھا، نبی کریم ﷺ کی آمد مدینہ سے کچھ دن قبل ابن ابی کی قیادت پر دونوں قبیلے متفق ہو گئے تھے اور اسکی رسم تاج پوشی کے لئے بیش قیمت تاج بھی بنالیا گیا تھا لیکن اسکی سرداری کے دن شروع نہ ہو سکے، یہی وہ زمانہ تھا جس میں دونوں قبیلوں کے سرکردہ بااثر لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور ان کی پیروی میں بہت سارے اشخاص بھی داخل اسلام ہو گئے اور مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی سیرت وقیادت ابھرنے لگی، آپؐ کی سروری اور پیغمبری نے ابن اُبی کو چین بے چین کر دیا اور وہ آپؐ کے تعلق سے بغض وحسد غیظ وغضب میں مبتلا ہو گیا، اور قبیلہ خزرج کی مقتدر واعلیٰ شخصیتوں کے کہنے پر اسلام میں داخل ہوا اور اسکا یہ داخلہ منافقانہ طور پر تھا جس کے نفاق کی علامتیں آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی چلی گئیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ راستہ سے گزر رہے تھے کہ ابن اُبی نے آپؐ کے ساتھ عمداً دانستہ طور پر شرانگیزی اور بدتمیزی کی، آپؐ نے حلم وصبر کا مظاہرہ فرمایا البتہ اس واقعہ سے حضرت سعد بن عبادہ کو آگہی دی جو قبیلہ خزرج کی سرکردہ موثر شخصیت تھی، انہوں نے عرض کیا، یارسوؐل آپؐ! کی تشریف آوری سے پہلے ابن اُبی کی تاج پوشی کی رسم ادا ہونے والی تھی، جو ہو نہ سکی، اور وہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ آپ نے اسکی سروری اور سرداری چھین لی ہے۔ ہجرت کے دوسرے سال نبی کریم ﷺ ایک ہزار مسلمانوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے مدینہ منورہ سے باہر اُحد نامی پہاڑ کے دامن میں تین ہزار کافروں سے مقابلہ کے لئے پہنچ چکے تھے، ایسے اہم اور نازک

وقت میں ابن اُبی نے اپنے ہم نوا اور ہم کردار تین سو اشخاص کو لے کر میدان جنگ سے فرار ہوگیا جس سے مسلمانوں کی جمعیت اور قوت میں کمی واقع ہوگئی اور آپ ؐ نے سات سو جان نثاروں کو لے کر تین ہزار لشکر کا مقابلہ کیا، ابن اُبی اور اسکے ساتھیوں کا نفاق سب کے سامنے ظاہر ہوگیا، اسکے بعد بھی وہ اور اسکے ساتھی خفیہ اور کبھی اعلانیہ طور پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے مخلص ومحبّ جان نثار رفقاء کے خلاف سازشوں اور فتنوں کا جال بنتے رہے، ہجرت کے چوتھے سال غزوۂ بنی نضیر پیش آیا اس وقت نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ یہودیوں سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے ابن اُبی اور اسکے ساتھی یہودیوں کو خفیہ پیغامات بھیج رہے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تمہارے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم لوگوں کو مدینہ منورہ سے باہر کیا گیا تو، ہم بھی تمہارے ساتھ باہر نکل جائیں گے، چنانچہ اس خفیہ سازش کا پردہ وحی کے ذریعہ چاک کیا گیا۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (الحشر ۱۱ آیت)

کیا تم نے نہیں دیکھا ابن اُبی اور اسکے ساتھیوں نے منافقت اور مدافقت کی کیسی روش اختیار کی وہ اپنے کافر اہل کتاب یہودیوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تم کو مدینہ منورہ سے باہر کیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، اور تمہارے تعلق سے ہم کسی کی کوئی بات ہرگز قبول نہیں کریں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اس گروہ کی منافقت وعداوت آئے دن ظاہر ہونے لگی، نبی کریم ﷺ صرف ان کے ظاہری دعویٰ ایمان اور مسجد میں ان کی حاضری اور نماز وزکوۃ کی ادائیگی وغیرہ جیسے ظاہری اعمال کے لحاظ سے ان سے ساتھ معاملات کو نبھاتے رہے یہاں تک کہ سن ہجری میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا، اس جہاد سے واپسی کے موقع پر ابن اُبی کا نفاق اور رسول دشمنی کا ایک ایسا اندوہ ناک دل خراش واقعہ پیش آیا، اگر بر وقت اس فتنہ کا قلع قمع نہ کیا جاتا تو اسکے اثرات نہایت خطرناک اور دوررس ثابت ہوجاتے، چنانچہ غزوہ بنی مصطلق سے واپس کے دوران سفر ایک کنویں کے قریب مقام پر قافلہ فردکش ہوا، یہاں ایک مہاجر حضرت جہجاہ بن مسعود اور ایک انصاری حضرت سنان بن وبر الجہنی کے درمیاں پانی کے مسئلہ میں بحث وتکرار سخت کلامی اور ترش روی کی شکل اختیار کرگئی اور ٹکراؤ وتصادم کے آثار نمایاں ہونے لگے تو اس ناگفتہ بہ صورت حال سے ابن اُبی نے بھرپور فائدہ اٹھاتے فضا کو اور مکدر اور متعفن کرنے کے درپے ہوگیا تاکہ انصاریوں اور مہاجروں میں لڑائی ٹھن جائے اور ان کے درمیان کی دیوار اتحاد گر جائے، اس واقعہ کی خبر نبی کریم ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچی تو آپ ؐ اسی وقت محل نزاع پر پہنچے اور جاہلیت کی چنگاری کسی بھی طرح بھڑک سکتی تھی آپ ؐ نے بجھادیا، اور سمجھایا کہ یہ تو جاہلیت کا بدبودار طریقہ ہے کہ لوگ صرف اپنے اپنے آدمی کی حمایت اور طرف داری میں کھڑے ہوجائیں، سب لوگوں کو غور کرنا چاہئے کہ خطا اور غلطی کس

Scanned with CamScanner

آدمی سے سرزد ہوئی ہے اور اسکی اصلاح وتادیب میں قدم اُٹھانا چاہئے اگر چہ کہ وہ آدمی اپنے ہی خاندان اور قبیلے کا کیوں نہ ہو اور اس آدمی کی طرف داری کرنی چاہئے جو بے خطا ہے اگر چہ کہ اس آدمی کا تعلق ہمارے خاندان اور قبیلہ سے نہ ہو اور وہ اجنبی ہی کیوں نہ وہ، آپؐ کی درد بھری اور رقت انگیز انہام وتفہیم کے باعث لوگوں کے دل نرم ہو گئے اور دونوں متصادم شخص جو سخت اور گرم گفتگو سے مغلوب تھے پوری طرح سے قابو میں آ گئے حضرت سنان انصاری نے حضرت جہجاہ مہاجر کو معاف کر کے صلح کر لی، اس حسین دل نواز اور خوشگوار ماحول کو دیکھکر سب کے چہرہ کھل اٹھے لیکن ابن ابی اور اسکے حواری دم بخود رہ گئے یہاں تک ابن اُبی غم وغصہ سے بے قابو ہو کر نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں یہ گستاخی کر بیٹھا لیـیـخــر جـن الاغـر منها الاذل، مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو باہر نکال کر دے گا ابن ابی کے سابقہ جملوں کے باعث یہ اشارہ نبی کریم ﷺ کی جانب اس قدر صاف اور واضح تھا کہ ہر کس کا ذھن نبی کریم ﷺ کے سامنے ابن اُبی کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا آپؐ نے صبر وضبط کی تلقین کی، انصاریوں کے سردار حضرت اُسید بن حضیر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے فرمایا یا رسول اللہ خدا کی قسم، عزت والے تو آپ ہی ہیں ابن اُبی ذلیل ہے آپ جب چاہیں اسے مدینہ سے باہر نکال دیجئے، حضور اکرمؐ نے کوئی بات نہ کہی آپ کا حلم ایسا حلم ہے جو آپ صرف ہی کا حصہ ہے آپ نے فوراً قافلہ کوچ کا حکم دیا اور کسی منزل پر پڑاو ڈالنے کی اجازت نہیں دی، یہاں تک مدینہ منورہ قریب آ پہنچا، اس وقت لوگوں نے ابن اُبی کو سمجھایا کہ نبی کریم ﷺ سے معافی چاہو ان کے عفو ودرگزر سے کون واقف نہیں ہے اور کوئی کیسا ہی مجرم کیوں نہ ہو آپ نے اسکو معافی دی ہے لیکن وہ آمدہ نہیں ہوا، قافلہ شہر کے دروازہ تک پہنچ گیا تو ابن اُبی کے صاحب زادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تلوار لئے ہوئے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ سے کہنے لگے، آپ نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلیل کو باہر نکال دے گا اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت والے آپ ہیں یا اللہ کے رسولؐ، خدا کی قسم آپ ہرگز ہرگز مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے، ابن ابی چیخ وپکار کرنے لگا لوگو! میرا ہی بیٹا مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے، محمدؐ یہ کیا ماحول بنا رکھا ہے لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ صورت حال بیان کی تو آپؐ نے فرمایا، عبداللہ سے کہو وہ اپنے باپ کو گھر آنے دیں یہ جملہ سننا ہی تھا کہ حضرت عبداللہ قابو میں آ گئے اور تلوار پھینک دی اور اپنے باپ سے فرمایا نبی کریم ﷺ کا حکم ہے اب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہو سکتے ہیں نبی کریم ﷺ غزوہ بنی مصطلق کے دور دراز صبر آزما مشقت بھرے سفر سے مدینہ منورہ پہنچے حالات معمول پر لوٹ آ گئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کا صبر اور حلم کا مظاہرہ ہر منزل پر کیوں فرمایا، اگر جذبات کی رو میں بہہ کر ہم کوئی قدم اٹھا دیتے اور ابن ابی کو ختم کر دیا جاتا تو منافقین چاروں طرف یہ فتنہ پھیلا دیتے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ہی کلمہ گو ساتھیوں کا قتل کروا رہے ہیں۔ حاصل کلام گروہ منافقین کا

چہرہ وحی کے ذریعہ دکھائی دیتا رہا چنانچہ اس جہت سے کئی آیتیں نازل ہوئیں یہاں تک کہ ایک مستقل سورۃ المنافقون کے نام سے اتری اور نبی کریم ﷺ کی احادیث اور ارشادات کی روشنی میں بھی منافقین کا کردار نمایاں ہوتا رہا آپؐ نے اس فرقہ کے تعلق سے کبھی اصلاحی وتادیبی اور تادکیدی اقدام فرمایا تو کبھی اعراض سے کام لیا جس میں حالات کی رعایت اور وقت کی مصلحت اور تعمیری پہلو تھا، یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ توحید ورسالت کے انکار کا نام کفر ہے اور یہ کفریہ رخ آدمی کی زبان سے ظاہر ہوجائے کے باعث وہ آدمی کافر سمجھا گیا۔نفاق بھی کفر ہی کی جنس سے ہے لیکن یہ منافقانہ رخ آدمی کی زبان سے ظاہر نہ ہونے کے باعث وہ آدمی منافق سمجھا گیا نفاق کی تعبیر لفظ تقیہ سے کی جائے تو شاید غلط نہ ہوگا صاحب معارف القرآن نے ایک سوالیہ ذیلی سرخی کے تحت ایک راہ نما گفتگو ہے جسے یہاں پیش کرنا زیر بحث موضوع کے لئے موزوں ہے کیا کفر ونفاق عہد نبویؐ کے ساتھ مخصوص تھا یا اب بھی موجود ہے؟

اس معاملہ میں صحیح یہ ہے کہ منافق کے نفاق کو پہچاننا اور اس کو منافق قرار دینا، دو طریقوں سے ہوتا ہے ایک یہ کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی بتلا دیا کہ فلاں شخص دل سے مسلمان نہیں، منافق ہے دوسرے یہ کہ اسکے کسی قول وفعل سے کسی عقیدہ اسلام کے خلاف کوئی بات یا اسلام کی مخالفت کا کوئی عمل ظاہر اور ثابت ہوجائے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انقطاع وحی کے سبب ان کے پہچاننے کی پہلی صورت تو باقی نہ رہی مگر دوسری صورت اب بھی موجود ہے جس شخص کے کس قول وفعل سے اسلامی قطعی عقائد کی مخالفت، یا اُن پر استہزا دیا تحریف ثابت ہوجائے مگر وہ اپنے ایمان واسلام کا مدعی بنے تو وہ منافق سمجھا جائے گا، ایسے منافق کا نام قرآن کی اصطلاح میں ملحد ہے الذین یلحدون فی اٰیاتنا ،اور حدیث میں اسکو زندیق کے نام سے موسم کیا گیا ہے، مگر چونکہ اس کا کفر دلیل سے ثابت اور واضح ہوگیا، اس لئے اس کا حکم سب کفار جیسا ہوگا، الگ کوئی حکم اس کا نہیں ہے اس لئے علمائے امت نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے بعد منافقین کا قصیہ ختم ہوگیا، اب جو مومن نہیں وہ کافر کہلائے گا، حضرت امام مالکؒ سے عمدۃ شرح بخاری میں نقل کیا گیا ہے کہ بعد زمانہ نبوت کے نفاق کی یہی صورت ہے جس کو پہچانا جاسکتا ہے اور ایسا کرنے والے کو منافق کہا جاسکتا ہے۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

Scanned with CamScanner

جواھر الحدیث

ان اللہ یحب الشجاع

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیرالحق قریشی
یم اے پی ایچ ڈی
استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

اسلام میں عمدہ خصلتیں ،نفیس عادتیں اور پاکیزہ صفتیں محمود ہیں اور مطلوب بھی اور ایسی صفتوں اور خصلتوں اور خشونما اوران کی ترقی اوران کے تحفظ کی ترغیب ہے اور ایسے اخلاق وعادات کواللہ پسند فرماتا ہے شریعت مطہرہ میں انہیں فضائل کا عنوان دیا گیا ہے اوراسکے برعکس اسلام میں بری خصلتیں ،گندی عادتیں اور مکروہ صفعتیں غیرمحمود اور ناپسندیدہ ہیں ایسی عادتوں اور خصلتوں سے آدمی کوخود سے بچائے رکھنے کی تاکیداور تلقین ہے ان عادتوں کواللہ ناپسند فرماتا ہے ان کوشریعت میں رزائیل کے نام سے یاد کیا گیا ،فضائل کے بطن سے نیکیاں ظہور میں آتی ہیں اور رزائل کے بطن سے برائیاں پیدا ہوتی ہیں ،اس پہلو سے قرآن میں دولفظ ہیں ایک معروف اور دوسرا منکر ،معروف کواپنانے اور پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے اور منکر سے بچنے اور روکنے کا حکم دیا گیا ہے ،امر بالمعروف وونھی عن المنکر ،نبی کریم ﷺ کی حدیثوں میں بھی نیکیوں کواپنانے ان کودوسروں میں پھیلانے کا حکم ہے اور برائیوں سے بچنے اوران سے دوسروں کوروکنے کا حکم ہے۔

اچھی صفتوں اور عادتوں کے وجوداوران کے ظہور سے زندگی میں خیروفلاح کی راہیں نمودار ہوتی ہیں اور بری صفتوں اور عادتوں کے وجوداوران کے ظہور سے زندگی شروفساد سے ہم کنار ہوتی ہے شجاعت وبہادری ایک ایسی صفت ہے جو بڑی حدتک آدمی کی فطرت اور طبعیت کے زیراثر رہتی ہے اگر آدمی میں خیر کا مادہ بدرجۂ اتم موجود ہے تو اسکی بہادری و پامردی سے عدل وانصاف کا ظہور ہوتا ہے اور اگر آدمی میں شر کا مادہ بدرجۂ اتم موجود ہے اسکی قوت وطاقت ظلم وستم میں صرف ہوتی ہے اسلام سے پہلے شجاعت کا میدان ظلم وجور تھا نبی کریم ﷺ نے اسکے رخ کوعدل وانصاف کی طرف اور خیرفلاح اور تعمیر کی جانب موڑ دیا اور شجاعت وبہادری کومؤمنانہ زندگی کا اہم ترین جز قرار دیا اور اسکی فضلیت وعظمت کھلے لفظوں میں بیان کی گئی ان اللہ یحب الشجاع اللہ تعالیٰ بہادر مؤمنوں کو پسند فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کا ایک بہادر بندۂ مومن کومحبوب رکھنے کی وجہ

Scanned with CamScanner

صرف قوت شجاعت نہیں ہے بلکہ وہ قوت بھی ہے جو اسکے اندر اللہ کی ذات پر توکل واعتماد پر مبنی ہے ایسا بہادر مرد مومن مصیبت وہلاکت کے لمحات میں اپنے زور بازو پر نہیں بلکہ اللہ کی مدد ونصرت پر بھروسہ وتوکل کرتا ہے اسی لئے بعض حدیثوں میں کہا گیا ہے کہ بہادر انسانوں کی دعاؤں سے برکت حاصل کرو کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں نیک خیال اور حسن ظن رکھتے ہیں بزدل افراد میدان جنگ سے فرار ہوجانے کو غنیمت جانتے ہیں اور فرار پر تکیہ کرتے ہیں اور بہادر اشخاص ہلاکت ومصیبت میں بھی اللہ کے فضل پر تکیہ اور بھروسہ کرتے ہیں قرآن کریم میں اللہ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی اوران کو سچے اور متقی کہا، جو انسانی سختیوں اور تکلیفوں اور قدرتی آفتوں کے وقت اللہ کے فضل اور اسکی مدد کی امید لئے ہوئے پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں والصٰبرین فی الباساء والضراء وحین الباس اولئک الذین صدقوا واولئکھم المتقون (البقرة) اوروہ لوگ جو تنگ دستی اور بیماری اور جہاد میں پامردی و ثابت قدمی کے ساتھ رہتے ہیں یہی سچے اور متقی لوگ ہیں۔

میدان کارزار وہی سرچشمہ خیر ہے جو صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے گرم ہوا ہو اور وہی معرکہ آرائی خیر اور امن کا باعث ہے جس کا مقصود انسانوں پر ہونے والے مظالم کا خاتمہ ہو اور اس میدان جنگ میں کود پڑنے والے افراد ایمان، توکل اور شجاعت سے آراستہ رہیں گے تو ایسے لوگ تعداد میں کتنے ہیں قلیل کیوں نہ ہوں ایک بڑی تعداد پر غالب آجائیں گے قرآن کی بشارت ہے ان یکن منکم ماءة یغلبوا الفا من الذین کفروا اہل ایمان کے سو آدمی ہزار کافروں پر غالب رہیں گے (التوبہ) اصحاب شجاعت صاحبان ایمان ہوں تو حلاکت خیز تندو تیز آندھیوں میں کہہ اٹھیں گے قالوا حسبنا اللہ ونعم (آل عمران) ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کسی گروہ کے اندر ایمان وشجاعت کے ساتھ اللہ پر توکل واعتماد ہے یہ شجاعت سونے پر سہاگہ کے مصداق ہوگی اور اگر کوئی قوم میں اپنے خالق ومالک کی ذات پر اعتماد اور توکل نہ ہو تو پیغمبر وقت کی تفہیم وتلقین بھی سفید اور نتیجہ خیر ثابت نہ ہوگی، چنانچہ اس پہلو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی زندگی کا وہ دور ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے جس میں شجاعت وبہادری کے جوہر سے خالی اور مماری ہوچکی تھی اور اسکے اندر حد درجہ پست ہمتی وبزدلی اور کمزوری پیدا ہوچکی تھی فرعون اور اس جیسے ارباب جور وستم کی تکلیفیں اور صعوبتیں سہتے سہتے ان کی ذہنی وقلبی اور جسمانی وروحانی صلاحیتیں قریب قریب ختم ہی ہوچکی تھیں یہود کی زندگی کے اسی غیر ایمانی وغیر یقینی اور پست ہمتی کے موڑ پر حضرت موسیٰؑ نے آواز دی، اے میری قوم! ارض مقدس میں داخل ہوجاؤ اور یہ اللہ نے

تمہارے میں لکھ دیا ہے بزدلی اور پست ہمتی کا مظاہرہ نہ کرو اور پیچھے واپس مت چلو، اگر تم اس وقت اپنے قدم آگے نہیں بڑھاو گے تو زمین کے کس حصہ پر تمہارا وطن نہ ہوگا اور تم اپنی وطنیت وقومیت ثابت نہ کر پاؤ گے اور جہاد جیسے مقدس فریضہ کے منکر ٹھہرو گے جو تمہارے لئے آخرت میں ایک بال ہوگا، پیغام موسوی کے اندر وعدا اور وعید دونوں پہلو ہیں یہود کی مابعد موسوی تاریخ میں یہ پہلو نمایاں ہو چکا ہے کہ آج یہودیوں کا جائز وطن نہیں بنا اور وہ جو بھی اپنی وطنیت ثابت کرر ہے ہیں وہ بھی ظالمانہ اور غاصبانہ ہے جسکی دنیائے امن میں کوئی وقعت اور اہمیت نہیں سورہ مائدہ میں حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور یہودیوں کے جواب کے تفصیل ہے جب حضرت موسیٰؑ نے کہا ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ تو یہودیوں نے جواب دیا اے موسیٰؑ ! اس سرزمین میں تو بڑے بڑے زبردست طاقت ور آدمی ہیں ہم وہاں ہرگز قدم نہیں رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں اگر وہ وہاں سے کہیں اور جگہ چلے جائیں تو اس وقت ہم وہاں جانے کے لئے تیار ہیں۔

یقوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب اللہ لکم ولاترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خسرین، قالوا یموسیٰ ان فیھا قوما جبارین وانا لن ندخلھا حتی یخرجوا منھا فان یخرجوا منھا فانا دٰخلون

پست ہمت قوم میں دو آدمی باہمت رہے جو متقی تھے جن پر اللہ نے فضل کیا تھا ان دو شخصیتوں نے اپنی قوم سے کہا تم لوگ ان طاقت ور افراد کی جانب شہر کے دروازہ تک تو چلو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اس وقت غالب آجاؤ گے اگر تمہارے اندر ایمان کی قوت ہے تو اللہ کی ذات پر امید رکھو اور اس پر بھروسہ کرو لیکن ان دو آدمیوں کی امید بخش اور حوصلہ افزا باتیں کارگر اور مفید ثابت نہ ہو سکتیں یہاں تک کہ پوری قوم بیک زباں ہو کر حضرت موسیٰ علیہ وسلام سے مخاطب ہوئی۔

یموسیٰ انا لن ندخلھا ابدا مادا موا فیھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون

اے موسیٰؑ ہم تو ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں لہذا آپ اور آپ کا رب چلے جایئے اور ان کے ساتھ مقابلہ کیجئے ہم تو یہاں سے سرکنے والے نہیں۔

حضرت موسیٰؑ کی امت کا یہ جواب اس حقیقت کی ترجمانی کرر ہا ہے کہ یہودیوں کے دل میں اپنے نبی کی محبت والفت نہ تھی جسکی وجہ سے اپنے پیغمبر کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت محمد

ﷺ کی امت کے ساتھ اس نوع اور اس طرز کا واقعہ پیش آیا لیکن ان دونوں واقعات میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے متبعین سے فرمایا لوگو! مکہ کے لوگ ارض پر حملہ کرنے والے ہیں ان کے مقابلہ میں کون میرا ساتھ دیں گے، اس آواز پر ان لوگوں نے جواب دیا، جو آپ کے فرمان پر اپنے پیدائشی اور آبائی شہر مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیا جس میں ان کا گھر بار، خاندان وقبیلہ، زمین و جائیداد اور کاروبار تھا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک نئے شہر مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے ساتھ ہیں اور حملہ آوروں کا مقابلہ کریں گے نبی کریم ﷺ نے یہی سوال دہرایا تو مدینہ منورہ کے باشندوں کو احساس ہوا، شاید اللہ کے نبیؐ ہمارا جواب سننا چاہتے ہوں گے، چنانچہ حضرت سعد نے مسلمانان مدینہ کی ترجمانی ان لفظوں میں کی، یا رسول اللہ !لا نقول کما قال قوم موسیٰ فاذھب انت وربک فقاتلا ان ھٰھنا قاعدون ولکن نقاتل نحن یمینک و شملک وبین یدیک وخلفک

اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں حضرت موسیٰ کی امت جیسے خیال نہ فرمایئے جب نبی ﷺ نے اپنے متبعین کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تو وہاں موجود طاقت ور لوگوں سے مقابلہ کرنے کو ناپسند کیا اور یہ جواب دیا، اے موسیٰ! آپ اور آپ کا رب جایئے اور ان لوگوں سے مقابلہ کیجئے، میں شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گا، لیکن اللہ کے رسول! ہم آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں چاروں طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے، اگر آپ ہمیں سمندروں میں کودنے کا حکم دیں تو ہم کود پڑیں گے، چنانچہ پیروان محمدؐ جن کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی ایک ہزار حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ان پر فتح حاصل کی، اسکے بعد بھی ہزاروں مرحلے ایسے آئے جن میں نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے خوش دلی اور طیب نفسی کی ساتھ جانی اور مالی قربانیاں دیں، ایسی نظیر اور مثلِ انسانی تاریخ پیش کرنے سے ہنوز قاصر ہے

گروہ انبیاء میں حضور پرنور سیدنا محمد ﷺ کی ذات قدسی صفات جہاں مختلف اور متعدد صفات اور خصوصیات کی حاصل اور جامع رہی وہاں شجاعت کے پہلو سے بھی بے مثل ومثال رہی، آپ کی زندگی میں کئی اور مستحکم کھڑے رہے، ہجرت کے دوران غار ثور کا قعہ کوئی معمولی نہ تھا، اس وقت آپ کا دشمن مکمل قوت وطاقت کے ساتھ آپ کے سامنے آکھڑا ہوا، پیکر استقامت وشجاعت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ دیر کے لئے کس قدر اپنا حوصلہ کھو بیٹھے تو آپؐ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا یا ابابکر ماظنک بشنین اللہ ثالثھما اے ابوبکر ان دو کے بارے میں تم کیا سوچتے ہو، جن کا اللہ تعالیٰ ہے، اس غار میں صرف دو ہستیاں

تھیں ایک نبی کریم ﷺ اور دوسری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت پر تیسرا کوئی فرد آپ کا حامی وناصر اور معاون نہ تھا، اس نازک گھڑی میں نبی کریم ﷺ نہایت پرسکون اور مطمئن تھے حضرت ابوبکر کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو دیکھتے ہوئے فرمایا لاتحزن اللہ معنا نہ گھبراؤ ہمارے ساتھ اللہ ہے غار ثور کی اس صورت حال کو قرآن کریم نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے، اذ اخرجہ الذین کفر واثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکنتیہ علیہ وایدہ بحبود تروھا۔ صحبت کی اثر آفرینی اور اثر پذیری زندگی کی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس ہادی ومربی کی شجاعت وعزمیت اور توکل علی اللہ کی ایسی شان اور کیفت رہے اسکے دامن تربیت سے وابستہ بزرگوں کی زندگیاں ایسی صفات وخصوصیات ہے کیونکر خالی اور عاری رہ سکتی ہے چنانچہ حضورؐ کی خصوصیات وصفات میں سے ایک صفت اور ایک خصوصیت ایک ایک صحابی کی زندگی کی منفرد صفت قرار پائی حضور اکرمؐ کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے ان اعظم معجزہ الرسول صحابتہ الکرام یہ بھی ایک اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے کہ حفاظت قرآن کی طرح صاحب قرآن کی صفعات وخصوصیات اور شمائل کی حفاظت کا نظم ونسق قائم ہے تاکہ حضرات صحابہ کے ذریعہ ان کے آنے والی نسلوں میں بھی صفات نبویؐ کی جلوہ گری قائم رہے الولدسرلابیہ ایک عظیم سچائی ہے بیٹا باپ کی صفات وعادات کا عکس اور مظہر ہوتا ہے صفات محمدیؐ کی ایک صفت شجاعت اور استقامیت ابوبکر کی زندگی میں مختلف جگھوں پر نمایاں رہی، اس کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہوا کہ جلیل القدر صحابی کرام بھی شش وپنچ میں رہے لیکن حضرت ابوبکر شجاعت اور استقامت کا پہاڑ بنے رہے، عہد صدیقی کی شروعات میں چند قبیلوں کے لوگ زکوۃ دینے سے انکار کر بیٹھے تو خلیفہ وقت حضرت ابوبکر نے اپنے رفقاء اور مصاحبین سے مشورہ لیا کہ منکرین کے تعلق سے کیا قدم اٹھایا جائے اور اپنی جانب سے یہ رائے بھی سب کے سامنے رکھی کہ میں ان کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس قدر حیران ہو کر عرض کیا، آپ ان لوگوں سے زکوۃ کے انکار کرنے پر جہاد کیسے کر سکتے ہیں؟ بالفاظ دیگر یہ کلمہ گو ہیں، ان جملوں کو سننا ہی تھا حضرت ابوبکرؓ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ سے کہنے لگے کنت جھارًا فی الجاجلیتہ وخوار فی السلام عمر تم جاہلیت میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بزدل کیسے ہوگئے پھر صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر کہنے لگے میں عزم مصمم کر لیا ہے ان منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کروں، لوگ دین میں کمی پیش کرنے لگیں اور ابوبکر تماشائی بن کر زندگی گزارے اسے یہ ہر گز منظور نہیں، ۔حضرت ابوبکرؓ کا یہ اقدام ایک طرف دینی حمیت غیرت پر مبنی تھا تو دوسری طرف شجاعت

وپامردی وثابت قدمی کامظہرتھا۔

خلیفہ راشد چہارم رسول ﷺ چچازاد بھائی اور داماد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت بہادری وجوان مردی اورشجاعت میں ضرب المثل رہی آپ اسداللہ اورشیر خدا کے لقب سے موسوم اورمشہور ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت وبسالت کا یہ عالم تھا کہ جنگوں میں خوف وخطر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے تھے یہ دیکھکر بعض صحابہ نے کہا، اے علیؓ! اپنی حفاظت وصیانت کا خیال رکھیئے اوراس طرح میدان کارزار میں دشمنوں کے درمیان میں مت جایئے اور ہماری صفوں میں رہ کر مقابلہ کیجئے یہ سن کر شیر خدا نے جواب دیا، مجھے یقین ہے کہ اگر میری موت کا وقت آپہنچا ہےتو میرے بچنے کا سوال ہی نہیں، اور اگر میری موت کا وقت نہیں آپہنچا ہےتو مجھے یہ اقدام کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔قرون اول کے مسلمانوں میں شجاعت کے زیر اثر پرورش پانے والا یہی جذبہ شہادت تھاجسکی وجہ سے ایک قلیل عرصہ میں دنیا کا بہت بڑا حصہ عالم اسلامی کے قلمرو میں شامل ہوگیا ۔جذبۂ شہادت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ کسی مردمجاھد کو شہادت نصیب نہ ہوئی وہ کس قدر غم گیں ہوجاتا اسکی ایک جھلک حضرت خالد بن ولید کی شخصیت میں دکھائی دیتی ہے،اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی انہوں نے کئی جنگیں لڑیں اور زمرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی بڑے بڑے معرکے سر کیئے اسلام سے پہلے کی لڑائیوں میں ان کے کیا محرکات اوراسباب تھے جن کی نشاندھی ایک مشکل امر ہے لیکن حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد جنگوں میں ان کی شرکت کا مقصد بجز شہادت کے کچھ اورنہیں تھا،شجاعت کی تمنا اپنے سینہ میں لئے ہوئے دشمنوں کی صفوں میں بے تحاشہ گھس جاتے تھے اورلڑتے لڑتے زخموں سے چور چور ہوجاتے تھے لیکن انہیں موت نہ آتی تھی، جب ان کی زندگی کے دن پورے ہونے لگے اور وہ بستر پر دراز ہوگئے اورانہیں اپنی موت کا وقت قریب ترین دکھائی دینے لگا تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے تھے اور اپنے گھر والوں سے کہا کرتے تھے افسوس صد افسوس موت نے مجھے کسی جنگ میں گلے نہیں لگایا، اب بستر مرگ پر پڑا ہوں اوراپنی جان ، جان آفرین کے حوالہ کررہا ہوں، کتنا بد نصیب خلد دنیا سے شجاعت کی نعمت سے محروم جارہا ہے حضرت خالد بن ولید کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، بزدل آدمی میدان جنگ سے بھاگ جانے میں اپنی جان کی سلامتی سمجھتا ہے یہ اسکا غلط خیال ہے، آدمی کی بہادری ہی اسکے دشمن کو میدان جنگ ہی نہیں دوسرے میدان میں بھی پست ہمت کردیتی ہے اور آدمی کی بزدلی ہی اسکے دشمن کو اسکے اوپر دلیر کردیتی ہے اسلامی تاریخ کے معروف جوان مرد اور بہادر سپہ سالار حضرت طارق اپنی جنگی بصارت، عملی حکمت اور جذبہ شجاعت کے اعتبار سے ایک مثالی شخصیت تھے آپ دین اسلام کی دعوت واشاعت کا جذبہ لئے ہوئے اپنی ہمراہ مجاھدین کی اچھی

خاصی تعداد لئے ہوئے کشتیوں کے ذریعہ اندلس کے ساحل پر پہنچ گئے اور اس وقت تمام کشتیوں کو نذر آتش کر دیا یہ منظر ہر کسی کے لئے حیران اور پریشان کر دیا کیونکہ وہ ایک ایسی اجنبی زمین پر پہنچے تھے جن کے پیچھے ٹھاٹھیں مارتا ہوا تا حدِ نظر سمندر تھا اور ان کے آگے ایک ایسی زمین تھی جس پر دشمنوں کا قبضہ اور غلبہ تھا آگے کی راہ بھی پر خطر معلوم ہو رہی تھی اور پیچھے کی راہ بھی مسدود ہو چکی تھی، اب اسکے سوا کوئی دوسری راہ نہ تھی کہ آگے ہی آگے بڑھتے چلیں اور اندلس میں اپنے پیر جمالیں اور اسکی سرزمین پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیں اور ایک نئی زندگی شروع کر دیں یا پھر جام شہادت نوش کرتے ہوئے ابدی نیند سو جائیں اس پیش آمدہ صورت حال کی مناسبت سے قائد لشکر نے اپنے ساتھیوں کو یہ پیغام دیا ہر ملک ہمارا ہے اور ہمارے رب کا ملک ہے۔ فارسی کے کسی شاعر نے کہا

طارق چوں برکنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کا رتو بنگاہ خرد خطا است
گفت ہر ملک ماست، ملک خدائے ماست

بہادری و جواں مردی اپنی جگہ محمود اور مستحسن صفت ضرور ہے اسکے ساتھ دانشمندی اور دور اندیشی بھی مل رہی تو اسکے نہایت مفید اثرات اور نتائج دیکھنے کو ملتے ہیں، اس پہلو کی نشاندھی صحابی رسول حضرت عمرو بن العاص کے ایک بصیرت افروز خطاب سے ہوتی ہے جو انہوں نے مصر میں اپنے ساتھیوں سے کہا تھا حضرات صحابی و تابعین کرام نے مصر کو فتح کیا اور اس عظیم معرکہ کو سر کرنے کے بعد مجاہدین اپنے اپنے خیموں میں سکون و آرام کے ساتھ پڑے رہے، کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے خیموں کا دورہ کیا اور حالات کا جائزہ لیا تو انہیں محسوس ہوا کہ ان کے تمام ساتھی پورے سکون اور اطمانیت کے ساتھ دن گذار رہے ہیں اور ان کے جنگی ہتھیارات اور آلات ایک گوشہ میں پڑے ہوئے ہیں حضرت عمرو نے اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد اپنے تمام ساتھیوں کو ایک وقت مقررہ پر ایک جگہ جمع ہونے کا فرمان جاری کیا، جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے مصر کے اندرونی بیرونی اور سیاسی حالات پر روشنی ڈالی اسی تقریر میں آپ نے ایک ایسا جملہ کہا جو عصری معنویت سے بھرپور نظر آتا ہے، ہم سب کو اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھائے رکھنا چاہئے کہ ہم محاذ جنگ پر زندگی بسر کر رہے ہیں انتم فی رباط دائم حضرت عمرو بن العاص کے جملہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے موجودہ عرب دنیا کے تناظر میں یہ بات کہی ہے اور اپنی آنے والی اسلامی عربی نسل کو اپنا یہ پیغام دیا ہے اور یہ بالواسطہ عجم کی علم نئی پود کے لئے بھی حضرت عمرو بن العاص کا ایک فکر انگیز عصری پیام ہے۔ تاریخ میں سکندر ایک شجاع اور بہادر بادشاہ گزرا ہے جس نے ساری دنیا فتح کرنے کا عزم مصمم لئے ہوئے اس مہم پر روانہ

Scanned with CamScanner

ہوا، سفر کے آغاز میں ارسطو سے ملا اور اس سے کہا، تم جانتے ہو، میں دنیا کی تسخیر کے لئے جو قدم اٹھا رہا ہوں ،اس راستہ میں میرے دشمن بھی پیدا ہوں گے اور دوست بھی ظاہر ہوں گے اس پہلو سے میرے لئے تمہاری راہ نمائی کیا ہے؟ ارسطو نے سکندر سے کہا جہاں تک ہو سکے لوگوں کو اپنا دشمن نہ بنالو، احتیاط سے کام لو دشمن انگیزی سے بچو، اور جو لوگ تمہارے دوست ہو جائیں گے تو ان کو ذلیل اور رسوا نہ کرو، جو بھی تمہارا دشمن بن جائے ،اس سے غافل نہ رہو اور کسی دشمن کو کبھی کمزور نہ خیال کرو، اور جب تک تمہارا کام نرم بات چیت سے نکل سکتا ہے تو سخت کلامی نہ کرو اگر کوڑا اٹھانے سے تمہارا کام بن سکتا ہے تو اپنی تلوار کو نیام سے باہر نہ نکالو۔ حافظ شیرازی اگر چہ کہ طبعی طور پر ایک فطری شاعر اور مرد باصفا بزرگ تھے، انہوں نے بھی اس حکمانہ جہت سے ایک شعر کہا ہے جو ان کے فارسی دیوان میں ہے

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف ایست

بادوستاں تلطف بادشمنان مدارا

دنیا کا آرام و آرائش دو جملوں میں ہے، دوستوں کے لطف و کرم سے پیش آتے رہو اور دشمنوں کی خاطر و مدارات کرتے رہو، عربی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی فارسی گلستاں کی زینت ہے آخر حیل السیف جب نرم کلامی اور سخت کلامی بے سود نظر تو نیام سے تلوار کھینچ لو یعنی طاقت کا استعمال آخری مرحلہ میں کرو۔

نبی کریمؐ نے شجاعت کا ایک مفہوم یہ بھی واضح کیا ہے کہ آدمی اپنے نفس امارہ کے خلاف جنگ کرے ،امارہ وہ نفس ہے جو آدمی کو گناہوں اور برائیوں میں مبتلا کرنے کے لئے ناجائز خواہشات میں مبتلا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بہادر آدمی وہ نہیں جو کسی طاقتور پہلوان کو کشتی کے میدان میں پچھاڑ دے بلکہ بہادر تو وہ ہے جو اپنے نفس کی بری خواہشوں کے آگے سپر نہ ڈالے۔

الغرض شجاعت آدمی کی طبعیت میں قدرت کی جانب سے ودیعت شدہ ایک ایسی قوت ہے جو آدمی کے ذہن و فکر کے زیر اثر کام کرتی ہے اگر اس قوت کا استعمال خیر و بھلائی اور تعمیری میدان میں کیا جائے تو یہ اسلام ہے اور اگر شر و برائی اور تخریبی امور میں کیا جائے تو یہ جاہلیت ہے۔ پہلے صورت میں آدمی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اور دوسری صورت میں آدمی عذاب دعقاب کا مستحق ہوگا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

Scanned with CamScanner

نقوش طاہر

سالنامہ اللطیف میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمۃ سابق ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ ،حضرت مکان ویلور۔کا ایک مضمون ''**شانِ غوثیت**'' قارئین کرام کی نذر ہے۔

ادارہ

حمد وثناء اللہ رب العالمین کے لئے جس نے اس خاک دانِ عالم کے اندر ایسے ایسے خاصانِ خدا پیدا فرمائے جن سے قدرتِ الٰہی کے کرشمے صادر ہوتے رہے ہیں۔

شانِ غوثیت کے مہتمم بالشان عنوان پر کماحقہٗ اور سیر حاصل بحث کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں۔ کیونکہ یہ وہ دریائے ناپیدا کنار ہے جس کی وسعت و گہرائی کا اندازہ ہو نہیں سکتا۔ اس وقت اس موضوع پر قلم اٹھانے کا مقصد چند اُن پوشیدہ گوشوں کو اجاگر کرنا ہے جو عام نظروں سے اوجھل رہے ہیں اور جن کا تعلق علمِ سینہ سے ہے نہ کہ علمِ سفینہ سے ہے۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مختلف گلہائے رنگا رنگ مضامین اور کثیر تعداد تصانیف میدانِ شریعت اور معرفت ،حقیقت اور طریقت میں آپ کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں جس میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہادئے گئے ہیں۔ سادگی وصداقت کے انمول خزانے ہیں جن کے پڑھنے سے عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ بطورِ مثال آپ کی چند تصانیف کے اسمائے گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔

فتوح الغیب۔ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس میں ایسی حکمت بھری ہدایتیں ہیں جن کو پڑھنے سے ایمان میں عجیب تقویت وتازگی محسوس ہوتی ہے۔

غنیۃ الطالبین۔ ایک جامع تصنیف لطیف ہے، اس سمندر میں غوطہ لگا کر انسان اپنے مقصود کے گوہر نایاب حاصل کرسکتا ہے۔

مواعظِ حسنہ۔ نادرالوجود مواعظ کا مجموعہ ہے۔

سلوک وتصوف۔ حقائق ودقائق کے اسرار ورموز فاش کردئے گئے ہیں، مسائل لافانی ولاثانی بیان کئے

گئے ہیں، جو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

آپ کے وعظ کے موقع پر جبکہ آپ کی تبلیغ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا، ستر ہزار سے زیادہ تعداد میں لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ اس مبارک مجلسِ وعظ میں کہا جاتا ہے کہ پیغمبروں کی ارواحِ مقدسہ اور ملائکہ بھی شریک رہتے، یہود و نصاریٰ اور جنات بھی کثیر تعداد میں شرکت کرتے، آپ کی آواز نزدیک اور دور یکساں سماعت کی جاتی تھی۔ ان مواعظ کا وہ اثر تھا کہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں یہود و نصاریٰ اور جنات آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے مبارک زمانے میں آپ کی ذات پرانوار سے دین اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔

ایک بزرگ کے حالات میں تحریر ہے کہ ایک روز ان کا گزر کسی شاہ راہِ عام سے ہو رہا تھا۔ ایک شخص جس کی بکری کہیں گم ہوگئی تھی، اتفاق سے وہ بھی وہاں پہنچا، حضرت موصوف کو دیکھتے ہی کہا کہ آپ ہی نے میری بکری چرائی ہے۔ برسرِ بازار چوری کے الزام سے وہ بزرگ بہت حیران و پریشان ہوئے، لیکن وہ شخص برابر اصرار و ضد کرتا رہا کہ اس کی بکری اسے واپس دے دیں۔ محترم بزرگ شرمندگی و رنجیدگی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دست بہ دعا ہوئے کہ یا اللہ تو اس کی بکری بھیج دے اور مجھے اس ذلت و رسوائی سے بچالے۔ ختم دعا کے ساتھ ہی وہ بکری آ پہنچی۔ بکری پاتے ہی شخص مذکور بہت ہی خوش ہوا اور آپ سے معذرت کرنے لگا کہ میں بخوبی واقف ہوا کہ آپ کی ذات گرامی سے کبھی اس جرم کا صدور نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن آپ کی دعا کی برکت سے ہی وہ بکری مجھے حاصل ہوسکتی تھی، اسلئے مجبوراً آپ کی جناب میں میں نے گستاخی کی تاکہ اس حیلہ سے میرا مقصود حاصل ہو، ورنہ ہماری دعائیں وہ اثر کہاں! لہذا اپنی تخصیر کی معافی کا طلب گار ہوں۔ جب ان بزرگوں کی دعا کا یہ اثر ہو تو سرتاجِ اولیاء کی دعا کا کیا اثر ہوگا؟۔

سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ کے مرید خاص سے ایک وقت ابلیس کی ملاقات ہوئی اس نے انہیں ایک مراقبہ بتایا اور اس کے عمل کا طریقہ بھی سکھایا، جب اللہ کا فضل کسی پر ہوتا ہے تو کسی طرح اس کی ہدایت کا سامان ہوجاتا ہے۔ دفعتاً انہیں خیال آیا کہ اپنے پیر و مرشد سے اس کی اجازت حاصل کریں۔ اس خیال کے آتے ہی وہ فوراً حضرت والا کی خدمت میں پہنچے اور سارا واقعہ سنایا۔ وہ تو پیر روشن ضمیر تھے، سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ کہتا تو سچ ہے لیکن قابل اعتبار نہیں، دھوکہ باز ہے، آئندہ دھوکہ دے گا۔ پیرانِ پیر دستگیر کی دستگیری سے وہ ابلیس کے پھندے سے بچ گئے اور ایمان میں کسی قسم کی خلل اندازی ہونے نہ پائی۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سبب سے کسی نہ کسی پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے۔ تاکہ بروقت صحیح رہبری اور دستگیری ہو۔ ایک اور موقع پر قبر کے سوال و

جواب سے متاثر ہو کر آپ نے اپنے ملفوظات میں بیعت کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ رحمۃ اللہ علیہ میزان العقائد میں اور حضرت مولانا شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر السلوک میں بیعت کرنا سنت بتایا ہے یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔

عقیدت مندی کی ایک بے نظیر مثال ملاحظہ ہو:۔ ایک خاتون سرکار غوثیت مآب رضی اللہ عنہ سے سچی عقیدت و دلی محبت رکھتی تھی۔ ہر سال ربیع الثانی کے مہینے میں اپنے گھر کے در و دیوار کی صفائی و سفیدی کر کے ادب و احترام کے ساتھ گیارھویں شریف کی نیاز ادا کرتی۔ مسلمان باورچی سے لذیذ مرغن کھانا تیار کرتی اور بہت سارے مسلمانوں کی پر تکلف ضیافت کرتی۔ یہ اس کا معمول تھا۔

ایک سال حسبِ عادت گیارھویں کے نیاز کی پوری تیاری کی اور اپنی تمام خدمات انجام دیں، لیکن اتفاق سے عین گیارھویں شریف کے روز اس کو دست آنا شروع ہو گئے اور دست میں زیادتی کی وجہ سے حالت قریب المرگ پہنچ گئی، اپنے دونوں فرزندوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں نصیحت کہ کہ دیکھو اب میرا وقت قریب ہے میری موت پر غم نہ کریں۔ مجھے فلاں کمرے میں رکھ دیں اور تالا لگا دیں۔ ضیافت میں شرکت کے لئے جو مہمان آئیں گے ان تمام کی برابر خاطر و مفارت کرنا اور باقائدہ انتظام کرنا اور میرا حال کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اس وصیت سے کچھ دیر بعد اس خاتون کا انتقال ہو چکا۔ حسب ہدایت دونوں فرزندوں نے پورے ضبط و تحمل اور صبر و استقلال کے ساتھ تمام خدمات انجام دیں، اختتامِ ضیافت کے وقت ایک بزرگ کی تشریف آوری ہوئی، ان کو بھی اندر لے گئے دسترخوان کو آراستہ کیا گیا اور کھانے کی اجازت دی، لیکن بزرگ نے کھانا تناول فرمانے سے انکار کیا اور کہا کہ جب تک میزبان نہ آئیں گی ہم نہ کھائیں گے۔ ان کے اس جملہ سے دونوں نونہالوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آپ نے سبب دریافت کیا، عزیز بچوں نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا فلاں مقام میں لاش پڑی ہے، اس کمرہ کا قفل کھولنے کا حکم ہوا تو فوراً ارشاد کی تعمیل ہوئی۔ آپ نے اس لاش کی طرف اشارہ کر کے اٹھنے کا حکم دیا تو وہ خاتون زندہ ہو کر اٹھ بیٹھی اور بزرگ آناً فاناً غائب ہو گئے۔ یہ بالکل صحیح اور مشہور عالم واقعہ ہے اور سرکار غوث مآب رضی اللہ عنہ کی ایک زندہ کرامت ہے۔

ایک اور واقعہ جو پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے وہ 1956ء کا ہے۔ دادا میاں صاحب ساکن میمنبور، والدِ حسن پاپا صاحب انسپکٹر آف پولیس نے حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے جو اُس وقت سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلور تھے، بیعت سے شرف یاب ہونے کی درخواست پیش

Scanned with CamScanner

کی، وہ ذیابطیس کے مریض تھے، پیشاب کثرت سے ہوا کرتا تھا، اور ہر دس پندرہ منٹ پر انہیں پیشاب کی حاجت ہوتی تھی۔ جب بیعت کی اجازت حاصل ہوئی تو غسل کر کے پاک صاف کپڑے پہن کر آپ کی خدمت میں پہنچے، اُس وقت شام کے چار بجے تھے، سب لوگ حجرہ میں جمع تھے، اعلیٰ حضرت قبلہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے، وہ ایک عجیب کیف آور منظر تھا اور جب اُن کے حق میں دعا کی جارہی تھی تو سب حاضرین مجلس بیک وقت آمین کہہ رہے تھے دعا بڑی ہی موثر تھی۔ اس موقعہ پر خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ صاحب موصوف کی آمد سے لے کر بیعت سے فارغ ہو کر واپس جانے تک شاید کامل ایک گھنٹہ کا عرصہ گزرا ہوگا، لیکن اثناء میں اُن کو پیشاب کی بالکل ضرورت محسوس نہ ہوئی، جس کا مشاہدہ تمام حاضرین مجلس نے کیا۔

ان کے بعض احباب کا کہنا ہے کہ انتقال سے ایک ماہ قبل بیماری کی وجہ سے اُن کی زبان بند ہوگئی، رشتہ داروں کو تعجب ہوا کہ ان کو کلمہ طیب کیسے نصیب ہوگا۔ خدا کی شان دیکھیئے کہ انتقال سے آدھا گھنٹہ پہلے زبان جاری ہوگئی کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگے، سب دوست احباب جوان کے قریب جمع تھے اللہ اللہ کہتے ہوئے سن رہے تھے اور بعد ازاں کلمہ طیب پڑھتے ہوئے ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلہ قادریہ میں بیعت کی یہ تاثیر وفضیلت ہے کہ جس نے موت کے وقت ان کی دستگیری ومشکل کشائی کی تھی اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی عظمت و بزرگی کا یہ حال ہے کہ ڈوبنے والوں کو آنِ واحد میں پار لگا دیتے ہیں۔ قدرت کے کرشمے عجیب ہوتے ہیں، باطن کا حال اپنے مخصوص بندوں کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ ان کی وفات کے انتالیسویں دن بعد شب میں حضرت پیرومرشد قبلہ جب کہ آپ سفید اور شفاف لباس زیب تن کئے اپنی خانقاہِ مکانِ حضرت قطب ویلور تشریف فرما تھے۔ بحالتِ بشارت اور کشف اُن کو دیکھا۔ جب سلام وجواب حسب عادت حضرت پیرومرشد نے خیریت دریافت کی۔ کہنے لگے کہ سلسلہ قادریہ میں داخل ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہوں کو بخش دیا۔ سکرات کے وقت آپ تشریف لائے تھے اور اس شیطان ملعون کو مجھ سے دور کیا اور کلمہ کی تلقین کی۔ خدائے قدوس نے اپنی رحمت سے مجھے کلمہ نصیب فرمایا۔

اس موقع پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہاں کے سجادہ نشین کو جو بھی بشارت ہوتی ہے وہ بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اس کے متعلق معتدد واقعات جو بشارت کے مطابق ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اس بشارت کی اطلاع کسی طرح ان کے فرزندِ عزیز جناب حسن پاپا تک پہنچ گئی جواب شہر مدراس میں اسسٹنٹ کمیشنر آف پولیس کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس واقعہ کے چند دن بعد کسی موقع پر جب وہ ویلور آئے تو اس بشارت کے متعلق راقم الحروف سے

Scanned with CamScanner

دریافت کیا۔ میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اس واقعہ کی حقیقت کو جاننے کی انہیں بہت زیادہ خواہش اور اضطرابی تھی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ حجرہ میں ملاقات کے وقت آپ اس واقعہ کے متعلق اعلیٰ حضرت قبلہ سے دریافت کریں۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد شرف ملاقات حاصل ہوا تو دورانِ گفتگو میں نے اس کا ذکر کیا۔ حضرت قبلہ نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی، پھر آپ نے عزیز موصوف کی خاطر اپنی شیریں بیانی و موثر زبانی سے مذکورۂ بالا واقعہ از ابتداء تا انتہا بیان فرمایا۔ ان موثر کلمات سے متاثر ہو کر حسن پاپا صاحب نے پوچھا کہ حضرت کیا آپ سکرات کے موقع پر وہاں گئے تھے؟ حضرت قبلہ نے جواب میں کہا کہ میں نہیں تھا وہ حضرت محبوب سبحانی تھے جو اُن کے پیر و مرشد کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ یہ حضرت محبوب سبحانی کی چشم دید کرامت اور تصوف ہے کہ وہ اپنی متعلقین کی ہر جگہ دستگیری فرمایا کرتے ہیں۔

حضرت محبوب سبحانی فرماتے ہیں کہ جس نے بھی اس سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تو میں اس پر سایۂ ابر کے مانند سایہ فگن رہتا ہوں۔ اگرچہ وہ مغرب میں ہو اور میں مشرق میں یا وہ مشرق میں اور میں مغرب میں رہوں (قصیدۂ غوثیہ)۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ میں اپنے مرید کے خاتمہ کے وقت اس کے پاس روحانی طور پر پہنچتا ہوں اور اس شیطان ملعون کو دور کرتا ہوں اور کلمہ کی تلقین کرتا ہوں اللہ عز و جل اس کو کلمہ نصیب فرماتا ہے اور مرنے والا کبھی اس دنیا سے بے ایمان رخصت نہیں ہوتا۔ اللہ کے کرم سے اس کا خاتمہ بخیر اور باایمان ہوتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک رجسٹر عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جس میں آپ کے تمام مریدین و متوسلین کو جو قیامت تک اس سلسلہ میں داخل ہوں ان تمام کے نام اس میں مرقوم ہوں گے۔ آپ سفارش فرما کے سب کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (قول الجمیل: از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

یہ شان ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی جو سرتاجِ اولیاء ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

ویلور کی ترقی

از: مولانا ڈاکٹر سید شاہ محمد عثمان قادری
ناظم دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید الیوم اکملت لکم دینکم و انعمت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلم دینا۔(سورۃ المائدہ پارہ ۶)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

تکمیل دین سے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور بتادیا گیا کہ حرام وحلال کے جو احکام ہیں وہ اور قیاس کے قانون سب مکمل کردئے۔اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ دین کا مکمل کرنا یہ ہے کہ وہ پچھلی شریعتوں کی طرح منسوخ نہیں ہوگا اور قیامت تک باقی رہے گا۔

قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذ تم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی۔(ترمذی)

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں اگر تم اسکو مضبوطی سے پکڑے رہوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہونگے ایک کتاب اللہ دوسری میری اولاد۔مذکورہ آیت مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے دین اسلام کو پسند کیا اور قیامت تک دین اسلام کو پسند کیا اور قیامت تک دین اسلام قائم رہیگا اسکا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوگا۔اور حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ کہ قیامت تک آنے والے ہر اہل ایمان کو جو کامیابی وکامرانی چاہتا ہے وہ ان دو چیزوں کو یعنی کتاب اللہ اور اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑے رہے اسی میں کامیابی اور نجات ہے یہی صراط مستقیم ہے۔اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اٹل ہیں اور تا قیامت یہ قائم اور دائم رہیں گے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

بالکل اسی طرح اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور غلاموں کے فرمان بھی حق اور قائم و دائم رہتے ہیں کیونکہ ان کی زبان سے اللہ بولتا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ آج تک اللہ والوں کی زبان سے جو بھی بات نکلی وہ صحیح اور سچ ثابت ہوئی۔جب بھی اللہ والوں نے دنیا والوں کے سامنے کسی بات کی پیشن گوئی دی تو اہل دنیا اس بات کو تسلیم نہیں

Scanned with CamScanner

کرتے مگر گذرتا زمانہ اہل دنیا کو بتا دیتا ہے کہ اللہ والوں کی ہر پیشن گوئی سچ اور حق ہے اور پھر اہل دنیا بھی مان لیتی ہے کہ اللہ والوں کی ہر بات سچ اور حق ہوتی ہے۔

ویسے تو اس دار فانی میں کئی اللہ والوں کی پیشن گوئیاں سچ اور حق ثابت ہوئے ہیں مگر یہاں اقطابِ ویلور کی ایسی پیشن گوئی کا تذکرہ کرنا مقصد ہے جو شہر ویلور کے تعلق سے فرمایا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا ویلور کے تعلق سے کہ ویلور ایک چھوٹی سی بستی ہے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ویلور کی ترقی ایک چائے ایک ورقی، اس میں ندی ہے مگر پانی نہیں، قلعہ ہے راجہ نہیں، مندر ہے پوجا ری نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح پہلے لوگوں کے ذہنوں میں ویلور کے تعلق سے ایسے ہی خیالات تھے مگر کئی سال پہلے ہی بزرگانِ دین اقطابِ ویلور نے ویلور کی حقیقت کو جان کر شہر ویلور کے تعلق سے ایک پیشن گوئی فرمائی کہ ویلور دارالسرور ہے شہروں میں بادشاہ ہے چنجی اور آرکاٹ اس دار کا گدا ہے۔

یہ اقطابِ ویلور کی پیشن گوئی تھی جو کئی سال پہلے فرما چکے، مگر آج اس پیشن گوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے ویلور کو دیکھیں تو واقعی ویلور دارالسرور بن گیا ہے۔ ویلور کو کئی اللہ والے اپنا مسکن بنایا آج ویلور دنیا کے نقشے میں ایک اہم شہر ہو گیا ہے۔ پہلے ویلور کو ویلور ٹون کہا جاتا تھا اب ویلور سٹی بن گیا ہے، آج ویلور میں بڑے بڑے اسپتال CMC وغیرہ ہیں، پولیس ٹریننگ کالج ہے، ویلور تر ویلور یونیورسٹی ہے جہاں ہر قسم کی تعلیم پڑھائی جاتی ہے اور گورنمنٹ میڈیکل کالج ہے آج ویلور میں بڑے بڑے شاہراہ بن گئے ہیں۔ ویلور میں ہوئی اڈہ بننے والا ہے۔ VIT انجینئرنگ کالج بھی ہے، جہاں دنیا کے کونے کونے سے طلباء آ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ویلور دینی علوم میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے ویلور میں تین ادارے قابل ذکر ہیں (۱) قدیم ادارہ بزرگانِ دین اقطابِ ویلور کا جو اپنے ذاتی پیسوں سے قائم کیا ہے وہ ہے دارالعلوم لطیفیہ یہاں سے ہر سال ایک پرچہ اللطیف نکلتا ہے (۲) باقیات الصالحات ہے (۳) دارالسلام ہے جو عمر آباد میں قائم ہے۔

اس کے علاوہ ویلور کا بڑا بس اسٹانڈ ہے جہاں سے ریاست کے ہر طرف سفر کر سکتے ہیں اور یہاں بڑا مچھلی مارکیٹ بھی ہے اور گوشت کا مارکیٹ بھی ہے۔ اس کے علاوہ ویلور میں بڑے بڑے ہوٹل ہیں اور بڑے بڑے زیورات کے دوکان اور کپڑوں کے دوکان بھی موجود ہیں۔ پہلے لوگ خرید و فروخت کے لئے مدراس جایا کرتے تھے اب اسکی ضرورت نہیں ویلور میں ہی تمام چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں اور ایک خاص بات یہ ہے کہ ویلور اسمارٹ سٹی بھی ہونے والا ہے۔

مذکورہ تمام تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگانِ اقطابِ ویلور کی پیشن گوئی حق ہے اور واقعی ویلور دارالسرور ہے چنجی اور آرکاٹ اس دار کا گدا ہے۔

☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

اللہ اور ننانوے اسماءِ صفات

از: مولوی سید نیاز احمد آمری جمالی
پرنسپل دار العلوم جمالیہ، چنئی

الحمد لله والصلوة والسلام علی رسول الله و علی اله و اصحبه حزب الله

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی پہچان اس کے اسماء پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات لامتناہی ہیں لہذا اُس کے اسماء بھی لامحدود ہیں۔ قرآن وحدیث میں جو اسمائے الٰہیہ بتائے گئے ہیں انہیں سمجھنا ایک بندۂ مومن کے لئے لازمی ہے تاکہ اُسے حق کا عرفان حاصل ہو۔ پروردگارِ عالم کے اسماء ہی اُسکے صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے۔ **وللّٰهِ الاسماءُ الحسنیٰ فادعوهُ بها**۔ اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے نام ہیں پس اللہ کو انہیں ناموں سے پکارا کرو۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ **قلِ ادعُو اللّٰهَ اوِدعُو الرَّحمٰنَ ایًّامَّا تَدعُوا فَلَهُ الاَسمَاءُ الحُسنٰی**۔ اے محبوب آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو تم جو بھی پکاروگے اللہ تعالیٰ ہی کے اچھے نام ہیں۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ان لِلّٰهِ لِسعَةً وَّلِسعِینَ اِسمًا مَنْ احصَاهَا دَخَلَ الجَنَّةَ**۔ بیشک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

ہمارے پیر ومرشد حضرت علامہ آمر کلیمی شاہ علیہ الرحمۃ کی تعلیم وتربیت اور آپکے ارشاداتِ عالیہ کی بدولت آپکے مریدین ومتوسلین روزانہ ان ننانوے ناموں کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر دن ایک اسم کا ورد ہوتا ہے۔ جب ننانوے ناموں کا ورد ختم ہوتا ہے تو سواں دن اسم ذات یعنی اللہ کا ورد ہوتا ہے۔

ذکرِ الٰہی بہت بڑی سعادت ہے۔ اللہ کے ذکر میں مصروف رہنے والا زندہ اور اللہ کو بھول کر زندگی گزارنے والا مردہ ہے۔ اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والا عقلمند اور کامیاب ہے، اللہ کو بھول جانے والا غافل اور خاسر ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اللہ کے اسم پر غور کریں پھر اسکے کمال کے ادراک میں متوجہ ہوجائیں۔ اسطرح غور وفکر کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ مثلاً اللہ کا اسم رحیم ہے تو اسکی شانِ رحمت رحیمی کے جلوے ہیں۔ اسی طرح ہر دن ہم کسی نہ کسی اسم پروردگار کا ورد کریں اور اسکی صفت میں تفکر وتدبر کریں تو یقیناً ہمارا دل عرفانِ الٰہی سے مجلّیٰ ہوجائے گا۔ اسی طرح یا غفار۔ یا ستار کا ورد کریں تو اسکی شانِ غفاری اور شانِ ستاری کا استحضار کریں یوں ہمارا دماغ اللہ کے خیال سے معطر اور دل رب کے عرفان سے معمور ہوجائے گا۔

Scanned with CamScanner

فلک تنقید پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی

ڈاکٹر راہی فدائی بنگلور
9448166536

''اخلاص'' انسانیت کی اہم ترین متاع ہے جس کے بغیر انسانی زندگی بے قدر و بے قیمت بن جاتی ہے، کوئی بھی شخص اپنے علم و ہنر کے اساسے کی حفاظت اور اپنے تجربات و معلومات کا تحفظ ''اخلاص'' کے مضبوط و مستحکم دست و بازوئے غیبی سے ہی کرسکتا ہے، یہ قانونِ قدرت ہے کہ جو بھی قول و فعل مخلصانہ ادا ہوگا اس کا افادہ واستفادہ دیر تک اور دور تک باقی و جاری رہے گا، ورنہ بصورتِ دیگر ان اقوال و افعال کا ضائع ہونا اور ان امور کا وقت کے حافظہ سے جلد از جلد محو ہو جانا لازمی و یقینی ہے۔ وہ کارِ خیر شعر و سخن اور فکر و فن سے متعلق ہو یا علم و ادراک اور عقائد و اعمال سے وابستہ ہو، اس کی حیات جاودانی کے لیے ''اخلاص'' کی شرط قدرت نے رکھی ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بھی اخلاص مشروط ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ''قُلْ اِنِّی اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ'' (سورۂ زمر آیت:۱۱) غرض جو کام جس قدر ''اخلاص'' سے مربوط ہوگا اتنا ہی اس کا اجر و ثواب دیا جائے گا اور اس کی حیات و ثبات کا دار و مدار اس کی قوت و ضعف کے مقدار پر ہوگا۔ یہی 'اخلاص' ہے جس کے سبب مجتہد مخطی بھی اپنے حصہ کے اجر کا حقدار کہلاتا ہے۔

''اخلاص'' کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا پیروکار ہمیشہ ''مفاد پرستی'' سے انتہائی فاصلہ پر رہتا ہے، طب و حکمت میں ''قبض'' کی طرح اخلاقیات میں ''مفاد پرستی'' ام الامراض ہے۔ مفاد پرست انسان درحقیقت نہ خود کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ قوم و ملت کو، وہ مفاد پرستی کے دلدل میں پھنس کر خود کو بچانے اور پھر مقام و مرتبہ کی جدوجہد میں مزید غرق ہو جاتا ہے، آج علم و ادب ہی کی نہیں بلکہ دین و دیانت کی صورت حال بھی اسی طرح روبہ تنزل ہے، جس کا واحد حل پھر سے ''اخلاص'' کی قوتِ ملکوتی کو بروئے کار لا کر دورِ زوال سے فرداً فرداً سہی نکلا جائے اور مَن جدّ وَجدَ یعنی جو بھی شخص کام کے لیے کوشش کرے گا وہ اسے ضرور پالے گا، کے قاعدۂ کلیہ سے کماحقۂ استفادہ کیا جائے۔ ورنہ اس ''ام الامراض'' کے بطن سے نکلنے والی، بیسیوں اخلاقی بیماریاں جیسے حقد و حسد، کذب و افترا، فتنہ و فساد اور تملّق و تمسخر وغیرہ انسانیت کے لیے تباہ کن ثابت ہوں گی اور روحانیت تو اس سے پہلے ہی بے موت مر گئی ہوگی۔

آج کی ادبی دنیا میں مخلص قلمکاروں اور بے لوث ادیبوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، اس مختصر مگر مکرم گروہ کے سرور و سردار جناب محترم پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی ہیں جن کی ذات ستودہ صفات کا خاصہ اخلاص و بے ریائی ہے۔ اسی کی برکت ہے کہ ان کا سینہ ہر طرح کے تعصب سے پاک اور علومِ ادبیہ کا خزینہ ہے، یہ بات مسلّم ہے کہ غیر متعصبانہ قلب و نظر کے حامل شخص کی زبان و قلم سے سچائی کا اظہار بے تکلفانہ اور بے باکانہ ہوتا ہے جس کی تازہ ترین مثال راقم الحروم

Scanned with CamScanner

(راہی فدائی) کی زیرِ مطبوعہ تازہ کتاب ''اردو کے اولین نقاد علامہ باقر آگاہ ویلوری اوران کی مثنوی'' ''ندرت عشق'' کا مختصر و جامع مقدمہ ہے جس میں تحریر کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے برملا وبے ساختہ فرمایا:

''مولانا باقر آگاہ کا نام ان اطراف میں کم لوگوں نے سنا ہے اوران کا کام تو اور بھی کم لوگوں نے دیکھا ہے، اسے اتفاق سے زیادہ شمالی ہندوالوں کا تعصب کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ دہلی میں جب اردو شاعری کا دور دورہ ہوا تو لاعلمی کی بنا پر یا تعصب کی بنا پر یا دونوں وجھوں کے باعث دَکن کے شعرا کا ذکر نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی گیا تو بہت سرسری اور تحقیری لہجے میں۔ اس کے برخلاف دَکن کے شعرا کو دہلی اور شمال کے اردو شعرا سے دلچسپی تھی اور انہیں شمال کے باکمالوں کے اعتراف کرنے میں کوئی تذبذب نہ ہوا، مثلاً خود مولانا باقر آگاہ نے اپنی مثنوی ''گلزار عشق'' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ سودا کا غلغلہ از ہندتا کرناٹک ہے، لیکن ملا نصرتی کے بارے میں لوگ کم جانتے ہیں، ہر چند کہ نصرؔتی کا درجہ کس طرح سوؔدا سے کم نہیں۔''

فاروقی صاحب کی اعلیٰ تنقیدی بصیرت کی ایک اور مثال پیش ہے، وہ یہ ہے کہ اولین مجاہد آزادی سلطان ٹیپو شہیدؒ (شہادت ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۹ء) کے عہد زرّیں میں فلک شکوہ محمد علی مہکری (متوفی ۱۲۴۰ھ) آصف یعنی گونر کے بلند و بالا منصب پر فائز تھے، جناب مہکری مرحوم صاحبِ سیف ہونے کے ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے، انہوں نے کلیات قصائد ''گنج شائگاں'' کے نام سے (۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء) میں مرتب کیا تھا جس کو پہلی بار راقم نے اپنے طویل مقدمے کے ساتھ (۲۰۱۶ء) میں عزیزم قاضی اسد ثنائی کے زیرِ اہتمام الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد سے شائع کیا تھا۔ ''گنج شائگاں'' کی رسم رونمائی شہر حیدرآباد میں محترم پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاتھوں انجام پائی تھی، اس موقع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فاروقی صاحب نے فرمایا:

''دہلی اور لکھنؤ سے دور بہت دور دَکن میں رہ کر خانہ زاد نے ایسی عمدہ اور اعلیٰ شاعری کی جسے میؔر اور سوؔدا پڑھ لیتے تو رشک کے مارے زہر کھالیتے۔ فاروقی صاحب کی اس حقیقت پسندانہ رائے کو سن کر اہل محفل جس میں مختلف جامعات کے پروفیسر، تخلیق کار شعرا و ادبا کے علاوہ باذوق سامعین شامل تھے۔ حیرت انگیز مسرت سے ہمکنار ہوگئے، بعد ازاں تقریباً ایک سال بعد جب راقم نے الٰہ آباد جاکر فاروقی صاحب سے ملاقات کی اور گفتگو کے دوران آں محترم سے مذکورہ بات کی دوبارہ تصدیق چاہی تو فاروقی صاحب نے پھر سے اپنی رائے دہراتے ہوئے وہی بات کہی جس کا ذکر سطورِ بالا میں ہو چکا ہے۔ اس طرح کے غیر معمولی نظریہ پر قائم رہنے کے لیے توفیق الٰہی اور اخلاصِ نیت کی اشد ضرورت پڑتی ہے اس کے بغیر اصابت رائے پر قائم رہنا ممکن نہیں۔''

Scanned with CamScanner

فاروقی صاحب سے راقم کا تعارف تقریباً پینتالیس سال پیشتر ہوا تھا جبکہ ۱۹۷۴ء میں راقم اور اس کے چار ساتھیوں ساغر جنیدی مرحوم، عقیل جامد مرحوم، اشفاق رہبر اور یوسف صفی کا مشترکہ مجموعۂ کلام بغیر کسی مقدمے کے "لہجے" کے نام سے شالیمار پبلی کیشنز، حیدرآباد سے شائع ہو کر مقبول ہوا تھا "لہجے" کو پڑھ کر بہت سے شعرا و ادبا اور نقادوں نے اپنی پسند کا اظہار کیا اور اشعار کی تعریف و توصیف کی مگر ہمیں فاروقی صاحب کی تحریر نے اپنا گرویدہ بنالیا اس خط سے ہم اجنبی اور بالکل غیر متعارف شعرا کے ساتھ ان کے اخلاص و تعلق خاطر کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا، فاروقی صاحب کی تحریر میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ "لہجے" "سال رواں کا خوشگوار حادثہ ہے، اس کے تمام شعرا اوسط سے اوپر ہیں... ورنہ مجھے نئے شعرا سے مایوسی ہو چلی تھی۔" اس کے بعد مسلسل فاروقی صاحب سے راقم کا ربط و تعلق جاری رہا، راقم کی تخلیقات غزلیں اور نظمیں مسلسل ماہنامہ "شب خون" میں شائع ہوتی رہیں، یہ سلسلہ "شب خون" کے بند ہونے تک جاری رہا، فاروقی صاحب کی ذرّہ نوازی و ادب پروری بالخصوص دوست داری کا بے مثال و نادر نمونہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے راقم کی ضخیم کلیات غزل "فیھا" (مطبوعہ ۲۰۰۸ء) کی رسم اجرا منعقدہ، حیدرآباد میں بخوشی شرکت فرمائی اور اپنے دست مبارک سے "فیھا" کی رونمائی ادا کی اور راقم کے متعلق تعریف و توصیف سے مملو تقریر و اظہار خیال فرمایا، یہ واقعہ موصوف کے اخلاص پر دلیل قطعی ہے، اہل علم یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ فاروقی صاحب جیسا عظیم نقاد اور اعلیٰ وارفع تخلیق کار صرف راہی فدائی کی دعوت پر الہ آباد سے حیدرآباد بلا تامل و تکلف کیسے حاضر ہو سکتا ہے۔

غرض محترم شمس الرحمٰن فاروقی جیسے مخلص و بے ریا احباب کے بلند اخلاق و بے لوث کردار کے نمونے آج کی مفاد پرست دنیا میں عنقا ہیں، راقم کے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ جناب فاروقی صاحب نے اس کے متعدد شعری مجموعے "اَنْتَسْلَکہ" (راہی، ساغر اور جامد کا شراکتی مجموعہ مطبوعہ ۱۹۷۸ء)، "تصنیف" (۱۹۸۱ء) "ایھا الناس" (۱۹۹۸ء) پر مبسوط مقدمے تحریر فرمائے۔ بالخصوص "ایھا الناس" کے مقدمے کا اخیر پیراگراف فاروقی صاحب کی قدر شناسی، بے تعصبی اور وسعتِ نظری کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ "راہی فدائی نے جدید غزل کے ایک خاص رنگ کو اپنایا اور اس طرح وہ اس رنگ کو بے تکان برتتے چلے گئے ہیں اس کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس باب میں اب انہیں نفس مطمئنہ حاصل ہے، جو رنگ انھوں نے اپنایا وہ ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں.... اور اس میں اخلاقی مضامین کی توقیر نے غزل گوئی کی منزلیں اور مشکل کر دیں۔ راہی کے تنز کے علاوہ ان کی بے تکلفی اور حس مزاح نے بھی انہیں غزل اور اخلاقیات کی منزلوں سے کامیاب گزرنے میں مدد دی ہے۔" الحمدللہ آج بھی فاروقی صاحب کی سرپرستی و رہنمائی راقم کے حق میں جاری ہے، جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں صحت و سلامتی سے نوازے اور ان کا ظلِ عاطفت ہم پر تادیر قائم رہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

❖❖❖

Scanned with CamScanner

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

پیش کش: حکیم سید محمد شاہ شاہ عالم قادری
بن حاجی سید محمد شاہ بدر عالم قادری
سجادہ نشین خانقاہ ودرگاہ حضرت سید شاہ جامِ عالم قادری شطاریؒ

دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے یہ عظیم خوشی کا دن ہے کہ اس دن محسنِ انسانیت، خاتم انبیاء، رحمتِ ہر جہاں، آقائے کائنات، فخرِ موجودات، نبی اکرم، نورِ مجسم، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اتنی عظیم نعمت ہے جسکا مقابلہ دنیا کی کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے صدقے امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بھی نعمتیں ملیں یعنی جہالت کے اندھیرے کا خاتمہ، ہدایت آسمانی اور وحی زبانی کی نعمت، نزولِ قرآن، ماہِ رمضان کے روزے کی نعمت، جمعۃ المبارک اور عیدین کی نعمت، حج وعمرہ کی نعمت اور سنت وسیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت، الغرض جتنی بھی نعمتیں ایک تسلسل کے ساتھ عطا ہوئیں سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بدولت میں ملیں۔ اس خاص دن کی نسبت سے ہر مسلمان اپنے اپنے انداز سے خوشی منا کر اپنے رب العزت کی رحمت کا شکر ادا کرتے ہیں۔

میلاد کے معنی وقت ولادت ہے۔ حرف عام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ جسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعجائبات، ولادت وقت کا تذکرہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات خلق عظیم سیرت اور معراج شریف وغیرہ کے واقعات کا بیان ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو وعظ ونصیحت وہدایت حاصل کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ انشاء اللہ ہم کوشش کریں گے کہ اسکا تذکرہ قرآن، احادیث اور بزرگوں کے اقوال کی روشنی میں پیش کریں۔

قرآن شریف کی آیتوں کا اردو ترجمہ:

سورۃ انبیاء آیت نمبر 107 میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ ''اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لئے''۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بلکہ رحمت العالمین فرمایا ہے۔

سورۃ یونس آیت نمبر 58 میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف فرقان حمید میں فضل واکرام اور رحمت وانعام کے ملنے پر خوشی و مسرت کا اظہار کا حکم یوں فرمایا ہے۔ ''اللہ ہی کے فضل اور اسکی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں اور ان کے سب دھن ودولت سے بہتر ہے''۔ اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کے ملنے پر خوشی کرنے کا حکم فرما رہا ہے اللہ کا فضل اور اسکی رحمت۔ یعنی جب ہم پر اللہ کا کوئی فضل ورحمت نازل ہو تو ہم خوشی ومسرت کا اظہار کریں۔ اکثر مفسرین اکرام علیہ الرحمۃ نے یہی فرمایا ہے کہ اللہ کی رحمت

سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر 164۔ ''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جوان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلے گمراہی میں تھے''۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لاتعداد اور بے حساب اور حد شمار سے باہر ہیں۔ مگر ان نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت بلکہ تمام نعمتوں کی جان، جانِ جہان وجانِ ایمان حضور پرنور، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے سب نعمت و انعامات ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کے بھیجنے کا احسان ظاہر فرمایا، اسلئے اہل ایمان اسکی سب سے بڑھکر قدر ومنزلت جانتے ہیں اور اسکا سب سے زیادہ شکرادا کرتے ہیں۔

سورۃ والضحیٰ، آیت نمبر 11 میں مولائے کائنات یوں فرماتا ہے۔ ''اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو'' میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ کا چرچا کرنا اور اس نعمتِ کبریٰ کے ملنے کی خوشی ظاہر کرنا ہے۔

احادیث مبارکہ اور بزرگوں کے اقوال:

لفظِ میلاد حدیث شریف میں ثابت ہے۔ امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف کردہ کتاب جامع ترمذی شریف میں ایک باب ماجاءَ فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے باندھا ہے۔ جسمیں اس حدیث کو نقل کئے ہیں۔

ترجمہ: حضرت قیس بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھیوں والے سال میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے قبیلہ بنویعمر بن لیث کے ایک شخص قباث بن اشیم سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے (رتبہ میں) بڑے ہیں۔ لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوا۔ میں نے ان سبز پرندوں کی بیٹ دیکھی ہے (جنہوں نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو مارا تھا) اسکا رنگ متغیر ہوگیا تھا (ترمذی شریف)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے فضائل وفضیلتیں بیان فرمائے ہیں۔ جامع ترمذی میں ابواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں مندرجہ حدیثوں کا ذکر ہے۔

(۱) حضرت مطلب بن ابی وادِاعیہ فرماتے ہیں کہ عباس بن عبدالمطلبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے گویا کہ وہ (قریش وغیرہ سے) کچھ سن کر آئے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟۔ لوگوں نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلامتی ہو۔ پھر فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بہترین لوگوں میں سے مجھے پیدا کیا اور پھر دو گروہ کئے اور مجھے ان دونوں میں سے بہتر گروہ میں پیدا کیا، پھر ان کے کئی قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، پھر ان میں سے کئی گھرانے بنائے ان میں سے بہترین گھرانے میں مجھے پیدا کیا، اسطرح بہترین ذات میں بھی (ترمذی)

(۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چند صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب ان کے قریب پہنچے تو ان کی باتیں سنی، کسی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے ابراہیمؑ کو دوست بنالیا، دوسرا کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰؑ سے کلام کرنا اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات ہے۔ تیسرے نے کہا

کہ عیسیٰ روح اللہ ہیں اور کُن سے پیدا ہوئے ہیں۔ چوتھا کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو چن لیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور سلام کرنے کے بعد فرمایا۔ میں نے تم لوگوں کی باتیں اور تمہارا تعجب کرنا سن لیا ہے کہ ابراہیمؑ اللہ کے دوست ہیں اور اس طرح ہیں موسیٰؑ اللہ کے چنے ہوئے ہیں وہ بھی اس طرح ہیں، عیسیٰؑ روح اللہ ہیں اور اس کے کُن سے پیدا ہوئے ہیں یہ بھی اس طرح ہیں، آدمؑ کو اللہ نے اختیار کیا ہے وہ بھی اس طرح ہیں۔ جان لو کہ میں اللہ کا محبوب ہوں اور یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا میں ہی حمد کے جھنڈے کو قیامت کے دن اٹھاؤں گا، یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائیگی، یہ بھی فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا میں ہی سب سے پہلے جنت کی زنجیر کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لئے اسے کھولیں گے پھر میں مومن فقراء کے ساتھ داخل ہونگا۔ یہ بھی بطورِ فخر نہیں کہہ رہا ہوں گذشتہ اور آنے والے تمام لوگوں میں میں بہتر ہوں یہ بھی بطور فخر نہیں کہہ رہا (بلکہ بتانے کے لئے کہہ رہا ہوں) (ترمذی)

صحیح مسلم شریف کتاب الفضائل میں باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتسلیم الحجر علیہ قبل النبوۃ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی نسب کی بزرگی اور پتھر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا)

حدیث: واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ جل جلالہ نے اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور قریش کو کنانہ میں سے اور بنی ہاشم کو قریش میں سے اور مجھ کو بنی ہاشم میں سے (مسلم) باب تفصیل نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی جمیع الخلائق (تمام مخلوقات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ زیادہ ہونا)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا قیامت کے دن اور سب سے پہلے میں شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی (مسلم)

مشکوۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلوۃ اللہ وسلام علیہ، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب نبیوں سے آخری لکھا ہوا تھا۔ جب حضرت آدمؑ خمیر میں گوندھے ہوئے تھے اور میں تمہیں اپنے معاملے کی ابتداء بتاتا ہوں کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔ جو انہوں نے میرے پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔ اور انکے لئے ایک نور خارج ہوا تھا جس سے شام کے محل چمک اٹھے تھے (مشکوۃ شریف)

مندرجہ بالا حدیثوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل وخصائل صحابیوں کے درمیان خود فرماتے تھے اور محفل میلاد میں بھی تو یہی ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وسیرت بیان ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم کتاب الصیام:

حدیث: حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا دوشنبہ کے روزے کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی دن پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پر وحی اتری ہے (مسلم شریف) اس حدیث پاک سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت کی خوشی پر روزہ رہ کر اللہ کا شکر ادا کرتے۔

حضرت عروہ راوی نے کہا ثوبیہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اسکو آزاد کر دیا تھا (جب اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

Scanned with CamScanner

کے پیدا ہونے کی خبر ابولہب کو دی تھی) پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جب ابولہب مر گیا تو اس کے کسی عزیز نے مرنے کے بعد اسکو خواب میں برے حال میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہے کیا گذری؟ وہ کہنے لگا جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں کبھی آرام نہیں ملا مگر ایک ذرا سا پانی (پیر کے دن مل جاتا ہے) ابولہب نے گڑھے کی طرف اشارہ کیا جو انگھوٹے اور کلمہ کی انگلی کے بیچ میں ہوتا ہے، یہ بھی اسلیئے کہ میں نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب انکاح)

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف کردہ کتاب مدارج النبوہ میں فرماتے ہیں اس حدیث میں میلاد شریف پڑھنے والوں کیلئے حجت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات میں خوشی ومسرت کا اظہار کریں اور خوب مال وذر خرچ کریں مطلب یہ کہ باوجود یکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہو چکی ہے جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کی خوشی کی اور اس نے اپنی باندھی کو دودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حق تعالیٰ نے اسے اس کا بدلہ عنایت فرمایا۔ (مدارج النبوۃ)

امام القراء حافظ شمس الدین ابن جزریؒ اپنی کتاب ''عرف التعریف بالمولد الشریف'' میں فرماتے ہیں کہ ابولہب جیسا کافر ،قرآن پاک نے جس کی مذمت فرمائی ہو وہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کی وجہ سے جہنم میں راحت وسکون پائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن موخر غلام کا کیا کہنا، یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خلد بریں میں داخل فرما کر اسکا بدلہ عطا فرمائے گا (حسن المقصد فی عمل)

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے اپنی کتاب (موردالعادی فی مولد البادی) میں لکھا ہے یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابولہب پر ہر پیر کے دن عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں ثوبیہ کو آزاد کیا تھا اس کے بعد انہوں نے شعر کہے ہیں۔ ترجمہ: ''یہ کافر تھا جبکہ اسکی مذمت کتاب اللہ میں آئی ہے ٹوٹ گئے اسکے دونوں ہاتھ اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا ،حدیث میں آیا ہے کہ ہر پیر کے دن اس سے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے کہ اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کی تھی خیال ہے اس بندہ مومن کے بارے میں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشیاں مناتا رہا اور توحید (ایمان) کی حالت میں جان وجان آفریں کے سپرد کر دی''۔ (حسن المقصد فی عمل المولد)

حضرت احمد بن محمد جو امام قسطلانی کے نام سے مشہور ہیں، اپنی تصنیف کردہ کتاب مواھب اللدنہ میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔ مسلمان ہمیشہ سے ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینے میں محافل کا انعقاد کرتے چلے آئے ہیں وہ دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں (یوں وہ اپنی) نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں، اور مولود شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں (یعنی ولادت مبارک کے وقت جو عجائبات ظاہر ہوئے ان کو بیان کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے بیان کا اہتمام کرتے ہیں) اور ان مسلمانوں پر ہر قسم کا فضل اور برکات ظاہر ہوتی ہیں۔

میلاد شریف کے محافل کے سلسلے میں اس بات کا تجربہ ہوا کہ اس سال امن قائم رہتا ہے اور مقاصد کے حصول کیلئے فوری خوشخبری ملتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو میلاد شریف کے مہینے کی راتوں کو عیدیں بناتا ہے تاکہ یہ (عید) ان لوگوں کے لئے سخت تکلیف کا

باعث بنے جن کے دلوں میں بیماری ہے (اور اس بیماری کا سبب وہ غصہ ہے جو انکو میلا د شریف سے ہوتا ہے)

علامہ ابوالفرج جمال الدین ابن جوزی محدث کی معروف کتاب میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان و برکت میں فرماتے ہیں۔ یہ عمل مکہ شریف، مدینہ منورہ، مصر، شام، یمن، اور بلد شرف وغرب میں ہمیشہ جاری ہے۔ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں ہوتی ہیں۔ لوگ جمع ہو کر نعتیں پڑھتے ہیں، ماہ ربیع الاول کا چاند طلوع ہوتے ہی مسلمانوں میں خوشیوں کی ایک لہر ڈور جاتی ہے، لوگ غسل کرتے ہیں عمدہ عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں، ان کی بستیاں عطر وگلاب کی خوشبو سے مہک اٹھتی ہیں، ان دنوں میں لوگ سرمہ لگاتے ہیں اور خوب خوشیاں مناتے ہیں۔ مال و دولت خوب خرچ کئے جاتے ہیں، میلا د کی محفلوں کا اہتمام بڑے تزک کو احتشام سے ہوتا ہے، لوگ اظہار مسرت کر کے خوب ثواب کماتے ہیں۔ محفل میلاد کی برکتوں میں سے تجربہ شدہ بات یہ ہے کہ جس سال کسی گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلا د ہو اس سال خوب خیر و برکت ہوتی ہے سلامتی و عافیت، مال و دولت، کشائش اور اولا د و اموال میں برکت ہوتی ہے اور سارا سال گھر میں سکون رہتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصنیف حسن المقصد فی عمل المولد میں میلاد (کے جواز) کیلئے ایک اصل کا استنباط کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ فرمایا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ کیا تھا اور عقیقہ دوبارہ نہیں ہوتا تو یہ اسی پر محمول کیا جائیگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے اور ولادت پاک پر شکر خداوندی بجالانے کیلئے دوبارہ عقیقہ فرمایا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنے اوپر درود پڑھا کرتے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم میلاد پاک میں اجتماع کر کے لوگوں کو کھانا کھلا کے اور دیگر جائز طریقوں سے خوشی و مسرت کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں (حسن المقصد فی عمل المولد)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنا رسالہ ''فیوض الحرمین سعادت کونین'' میں لکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولود مبارک میں تھا، میلاد شریف کے روز لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے تھے اور بیان کرتے تھے وہ معجزے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقت ولادت ظاہر ہوتے تھے اور وہ مشاہدے جو نبوت سے پہلے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا ان آنکھوں سے دیکھا یا روح کی پس میں سے تامل کیا تو معلوم ہوا یہ نور ان ملائکہ کا ہے جو اسی مجلسوں اور مشاہد پر موکل اور مقرر ہیں اور میں نے دیکھا انوار ملائکہ اور انوار رحمت ملے ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ شرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال اپنے گھر میں منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں (شرح فیصلہ ہفت مسئلہ)

امام ابن کثیر کی اپنی تصنیف کردہ کتاب البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں شاہ اربل ملک مظفر ابونصیر کوکبری ابن زید الدین ایک سنی عظیم سردار اور بزرگ بادشاہ تھا۔ جس کے کام بہت اچھے ہیں اور اس نے قاسیوں کے دامن میں جامع مظفری تعمیر کی ہے۔ اور اس نے زبیدہ کے پانی کو اس کی طرف لانے کا ارادہ کیا، تو معظم نے اسے اس کام سے روک دیا اور وہ سفوح میں مسلمانوں کے قبرستان کے پاس سے گذرے گا اور وہ ربیع الاول میں میلاد شریف مناتا تھا اور اسکا ایک عظیم جلسہ کرتا تھا اسکے ساتھ

ساتھ وہ بہادر دلیر، حملہ آور، جری، عقلمند اور عادل بھی تھا۔ شیخ ابوالخطاب ابن وحید نے اسکے لئے میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اور اسکا نام ''التویر فی المولود البشیر والنذیر'' رکھا ہے اور اس نے اس تصنیف پر اسکے ایک ہزار دینار انعام دیا، اور اسکی حکومت، حکومت ملاحیہ کے زمانے تک دراز رہی۔ اور اس نے عکا کا محاصرہ اور اس سال تک وہ قابل تعریف سیرت وکردار اور قابل تعریف دل کا آدمی تھا۔

السبط نے بیان کیا ہے کہ مظفر کے دسترخوان میلاد پر حاضر ہونے والے ایک شخص نے بیان کیا ہے۔ وہ اس بارے میں دسترخوان کو پانچ ہزار بھنے ہوئے سروں، دس ہزار مرغیوں، ایک لاکھ مٹی کے پیالوں، اور حلوئے کے تیس ہزار پلیٹوں تک بڑھا دیتا تھا رواداری بیان کرتا ہے اور میلاد کے موقع پر اس کے پاس بڑے بڑے علماء اور صوفیاء حاضر ہوتے تھے اور وہ انہیں خلعت دیتا تھا۔ جلسہ کی صورت میں صحابہ اکرام کا میلاد منانا: حضرت حسان بن ثابتؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد صحابہ کرام کی موجودگی مین بیان کیا۔

واحسن منك كم تـره قط عيني
واجمل منك كم تلد النساء
خلقت مبرو من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

میری آنکھ نے آپ سے زیادہ خوبصورت شخص نہیں دیکھا، آپ سے زیادہ صاحب جمال کبھی کسی عورت نے نہیں جنا، آپ ہر عیب سے اسطرح پاک اور صاف ہیں جیسے آپ اپنی مرضی اور پسند سے پیدا ہوئے ہیں۔

اسکے علاوہ بڑے بڑے عظیم محدثین میلاد شریف پر تصنیف کئے ہیں، جیسا کہ:

(۱) شیخ الاسلام علامہ ابن حجر مکیؒ کی تالیف ''نعمتِ کبریٰ''

(۲) حضرت علامہ امام محمد یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ کی تصنیف ''جواہر البحار فی فضائل النبی المختار''

(۳) مولانا شیخ عبدالحق محدث الہ آبادیؒ کی تصنیف ''الدر المنتظم فی بیان حکم مولد النبی الاعظم''

(۴) حضرت ملا علی قاریؒ کی تصنیف ''المورد الروی فی مولد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم''

(۵) حضرت العلام نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہٗ کی تصنیف ''شواہد النبوۃ''

مذکورہ پیش کردہ عنوان سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے جتنی بھی ہو جائز خوشی ومسرت اور جشن کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ ہمیں قرآن وسنت کے احکامات کو سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق دے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو جانتے ہیں ان میں شامل فرمائیں اور ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص الحامی محبین، متعبین میں سے بنائے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ بزرگ وبرتر اپنے حبیب مکرم شفیع روزِ جزا، نورِ مجسم، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہمیں آخری دم تک ہمارا ایمان سلامت فرمائے اور ہم سب کو حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

حضرت نیّر ربّانی-ایک عظیم انسان اور صاحب طرز شاعر

ڈاکٹر سید سجاد حسین،
سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی واردو،
مدراس یونی ورسٹی، چنئی

حضرت نیّر ربّانی کا شمار میل وشارم کے ان کہنہ مشق شعراء میں ہوتا ہے جو شاعری کی قدیم روایات کے قدردان اور نام لیوا تھے۔ موصوف کو حضرت شاداں وشارمی اور حضرت محوی صدیقی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ نیر ربانی کا پورا نام محمد اسماعیل تخلص نیّر لقب ربانی 23، مارچ 1923 کو شہر وشارم کے ایک ذی علم اور شریف گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ اسکول، میل وشارم میں پائی۔ شاعری سے ذوق چونکہ فطری تھا اس لئے طبیعت بچپن ہی سے شعروسخن کی طرف مائل ہوگئی۔ ۱۳ سال کی عمر سے مشق سخن کی عادت ڈالی اور اسلامیہ اسکول میں منعقد ہونے والی ہر چھوٹی بڑی شعری محفلوں میں کلام سناتے اور اپنے اساتذہ سے داد وتحسین حاصل کرتے تھے۔ دوران تعلیم اپنی ذہانت وفطانت، ملنساری اور سعادت مندی کی بدولت تمام اساتذہ کے منظور نظر ہوگئے۔ اسکول کی تعلیم سے فراغت پاکر آپ نے محمڈن کالج مدراس کا رخ کیا جہاں ڈاکٹر عبدالحق، مولانا عبدالوہاب بخاری اور مولانا رحیم احمد فاروقی جیسے جید عالم وفاضل کی رہنمائی وسرپرستی انہیں حاصل رہی۔ بی۔اے۔ ڈگری کی تکمیل کے بعد آپ نے ایس۔وی۔ یونی ورسٹی، تروپتی سے ایم۔اے۔ کی سند حاصل کی۔ مدراس یونی ورسٹی سے افضل العلماء کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ہندی پرچار سبھا مدراس سے ہندی کے اعلیٰ اسناد بھی حاصل کئے۔ نیر ربّانی اپنے مادر علمی اسلامیہ اسکول، میل وشارم میں تقریباً گیارہ سال تک تدریسی خدمات پر مامور تھے چونکہ طبیعت شروع ہی سے دین ومذہب کی طرف زیادہ مائل تھی اس لئے موصوف دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور کے قیام کے ساتھ وہاں منتقل ہوگئے اور تادمِ زیست بحیثیت مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔

نیر ربّانی ایک اچھے شاعر ہی نہیں ایک بلند پایہ ادیب اور شعلہ بیاں مقرر بھی تھے۔ مزاجاً سادہ لوح، مخلص اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ سیرت واخلاق میں نیر ربّانی کی کتاب زندگی روشن جامع اور بے داغ تھی۔ ان کی پوری زندگی بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا کی حامل رہی۔ وہ اخلاق وکردار کا پیکر تھے اور شرافت، خلوص ومحبت اور ہمدردی کے مجسم تصویر بھی۔ دنیوی جاہ وثروت کا خیال ان کے دل میں مطلق نہ تھا۔ ان کی زندگی ایک عالم دین اور سچے شاعر کی زندگی تھی جس نے دنیوی منصب وعزت کو ہمیشہ ہیچ سمجھا۔ آپ مہر ومحبت فیاضی اور رواداری کی صفات سے متصف بھی تھے۔

Scanned with CamScanner

نیر ربّانی ایک خوشگو شاعر تھے۔ آپ کو شعر و شاعری کا ذوق استاذ ازل کی بارگاہ سے عطا ہوا تھا۔ اپنے مزاج و افتاد طبع کے اعتبار سے آپ حالیؔ اور اقبالؔ کے پیرو تھے۔ آپ نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ حمد اور نعت گوئی سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ نیر ربانی کا کلام دراصل ان کے مزاج کا ایک تحریری عکس ہے جس میں ایک سچے شاعر کے دل کی دھڑکن صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ آپ کے پرخلوص انداز بیاں اور جذبے کی سچائی اور ذوق سخن کی تاثیر نے قوم وملت کو آدابِ عشقِ رسول سکھائے اور ان کے دلوں میں روحانیت اور عقیدت مندی کے انمٹ نقوش جاگزیں کردئے۔ چنانچہ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ نیر ربانی کی شاعری ایک دردمند دل کا پیغام ہے ایک ایسا نسخۂ کیمیاء ہے جس کی تاثیر کا انہوں نے خود اندازہ کرلیا تھا اور ایک ایسے دل کی تڑپ ہے جس کے ہر شعر میں خلوص اور جذبۂ عمل ہے اس لحاظ سے آپ کی شاعری ایک تحفۂ جاں نواز اور صحیفۂ عمل ہے۔ آپ نے سیر وسیاحت اور دین کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے امریکہ، لندن، پیرس، جرمنی، سری لنکا اور ملیشیا کا دورہ بھی کیا ہے۔ سب سے اہم اور قابل فخر بات تو یہ ہے کہ آپ کو سولہ مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ ہفت لساں تھے عربی، اردو، فارسی، انگریزی، ہندی اور تمل زبانوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ قوم وملت کا درد آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک سچے عاشق رسول ہونے کا ثبوت ان کی نعتوں سے بخوبی ملتا ہے۔ نعت کہتے تو سراپا نعت بن جاتے تھے۔ محبت سرشاری فرط مسرت اور وابستگی کا یہ عالم کے آپ کی نعتوں کا ہر شعر اس کی گواہی دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا آپ اس شعر کا عملی نمونہ معلوم ہوتے تھے۔

مرا عشق ہی ہے رہبر مرا عشق ہی ہے منزل　　مجھے کیوں ہے یہ ہدایت کہ چلوں سنبھل سنبھل کے

آپ مزاجاً جتنے سنجیدہ ملنسار واقع ہوئے تھے اتنے ہی خوش طبع اور زندہ دل بھی تھے۔

بقول دانش فرازی ''نیر ربانی تنہا ایک ایسی انجمن ہیں کہ جہاں زندہ دلی کے توانا عناصر ہمیشہ سانس لیتے ہیں۔''

آپ کی شاعری اکتسابی وآوردگی نہیں فطری و وجدانی ہے۔ آپ کا شعور وادارک خدا داد تھا، طبیعت بھی چونکہ مناسب وموزوں پائی تھی اس لئے آپ کی شاعری میں آمد آمد اور صالح وتوانا قدروں کی ترجمانی ملتی ہے۔ چند حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں

اے خدائے دوجہاں دکھلا صراط مستقیم　　ہم ہیں محتاج ہدایت تو ہے رحمٰن و رحیم
ہم تو جو کچھ بھی ہیں ترے محبوب کی امت میں ہیں　　شامتِ اعمال سے اب وادی ذلت میں ہیں
ہم کو پھر اس حلقہ آفاق میں کر سر بلند　　ہر مسلماں کو بنا حق شناس و حق پسند

اپنے خالق حقیقی کی حمد وثنا اور نیاز مندانہ سپردگی کا کتنا دلکش انداز ہے۔ اشعار آپ کی بلندئ تخیل کے غماز ہیں ان

Scanned with CamScanner

میں کوئی جھول نہیں بالکل غیر مبہم انداز میں شاعر موصوف نے اپنے رب کے حضور اپنی التجا پیش کی ہے۔ نیر ربانی کی شاعری دل سے دنیا تک کے سفر سے عبارت ہے اور وہ جست لگانے کے بجائے سبک روی سے منزل کی جانب گامزن ہیں۔ انہوں نے اپنی زمینیں خود نکالی ہیں۔ اساتذہ میں غالب، اقبال، حالی اور جگر کی زمینوں میں بھی شعر کے معرکے سر کئے ہیں۔ سادگی ان کی شعری زبان کا طرۂ امتیاز ہے۔ بیان اور موضوعات میں وسعت نہ سہی لیکن خلوص و جذبے کی صداقت ضرور ملتی ہے۔ اشعار کی قرأت سے اتنا اندازہ تو ہوتا ہے کہ شاعر اگر اپنے جوہر کو سمیٹتا تو مخزن بن سکتا تھا۔ حضرت نیر ربانی کی کئی ایک ایسی غزلیں ہیں جو ان کے گہرے عشق و ریاضت کا پتہ دیتی ہیں ان میں تغزل کی چاشنی بھی ہے اور معنوی سبک خرامی بھی۔ ان کی فہرست سازی تو یہاں ممکن نہیں البتہ نموناً چند شعر پیش کئے جائے ہیں

انداز تھا یا ناز تھا یا جلوۂ جاناں — پیوست ہے اک تیر مرے قلب و جگر میں

فروغ حسن کامل سے تجلّی کا یہ عالم ہے — کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

خود پانی پانی فرط ندامت سے ہے فرات — اک قطرہ تشنہ لب کے لئے جب ملا نہیں

کھلے بھی پھول مرجھائے بھی کتنے — مگر تازہ ابھی زخم جگر ہے

اسے کس نام سے آخر پکاروں — کوئی جلوہ مرے پیش نظر ہے

حضرت نیر ربانی کی غزلیں جتنی دلچسپ ہیں اتنی ہی دلچسپ ان کی نظمیں بھی ہیں۔ ان نظموں میں تنوع ملتا ہے۔ یہ تنوع مضامین و موضوعات کے باب میں شاعر کے انہماک کی دلیل ہے۔ ان کی نظموں میں ہیئت کے اعتبار سے کوئی تجربہ نظر نہیں آتا۔ البتہ اظہار کی تازگی ان کے ہر شعر سے عیاں ہوتی ہے۔ ''مولانا محمد علی جوہر'' ''عظمت قرآن'' اور ''نواب سی عبدالحکیم'' یہ ایسی نظمیں ہیں جو اخلاقی قدروں کی ترسیل کے لئے وقف ہیں۔ جبکہ ''گلشن اسلام'' ''ہدیہ و تشکر'' ''اور ولیوں کے ولی'' میں شاعرانہ انداز بیان کا عروج دیکھا جاسکتا ہے۔ ''مسلم سے خطاب'' کا مضمون حضرت نیر ربانی کی فکری صالحیت کا آئینہ دار ہے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں ان میں فلسفہ بھی ہے اور اخلاقی قدروں کی جلوہ گری بھی۔

خدائے لم یزل کی عظمتوں کا رازداں تو ہے — جلالت کا خلافت کا امامت کا نشاں تو ہے

خودی کو بھول کر تو بے خودی میں کھو گیا اتنا — نہیں احساس کل تک تھا کہاں اور اب کہاں تو ہے

تری منزل ہے بالا تر کہیں عرشِ معلّٰی سے — ستارے جن کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

نیر ربانی نے جہاں غزل و نظم میں فکر و فن کی جولانیاں دکھلائی ہیں وہاں شخصی مرثیے بھی لکھے ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر اور نواب سی عبدالحکیم سے ان کی عقیدت کے والہانہ اظہار کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے

Scanned with CamScanner

وہ پیکر تھا تہذیب و صدق و صفا کا
محمدؐ کا عاشق وہ شیدا خدا کا
نہ زنداں کی پروا ہ نہ زنجیر کا غم
تھا ہاتھوں میں عزم و شجاعت کا پرچم
دلیر ایسا انگریز ڈرتے تھے جس سے
نفوس صداقت ابھر تے تھے جس سے
صحافی تھا شاعر جادو بیاں تھا
فروغِ خلافت کا روحِ رواں تھا

پیکر ایثار تھے نواب سی. عبد الحکیم
صاحب کردار تھے نواب سی.عبد الحکیم
فیضِ بے پایاں بلا تفریق مذہب عام تھا
ابرِ گوہر بار تھے نواب سی.عبد الحکیم
جن پہ نیر آج بھی اہل وطن کو ناز ہے
ایسے اک معمار تھے نواب سی.عبد الحکیم

نیر ربّانی کی شاعری کا ایک امتیازی وصف ان کی تاریخ گوئی ہے۔انہوں نے ملک کے قومی رہنماؤں کی رحلت اور اپنے محسنوں اور بزرگوں کے وصال پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے جو تاریخی قطعات لکھے ہیں وہ تاریخ گوئی کے باب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔میل وشارم میں مسجد خضر کے سال افتتاح پر آپ کا ایک تاریخی قطعہ ملاحظہ ہو

تا ابد یہ گلستاں شاداب ہو رب کریم
اس چمن کا رخ نہ کر پائے کبھی بادِ سموم
دل سے نیر نے کہا مسجد کا سال افتتاح
ہے بنی پر نور مسجد نزدِ مفتاح العلوم

۱۴۰۹ھ

حضرت نیر ربّانی کی نظر گہری اور مشاہدات کافی وسیع ہیں۔آپ کے کلام میں معنوی حسن اور لفظی خوش آہنگی کے ساتھ ساتھ فنی اصطلاحوں کا استعمال بھی جا بجا ملتا ہے۔وہ ضرورت شعری کے لئے شاعری نہیں کرتے بلکہ ان کی عقیدت مندی اور جذبۂ سخن انہیں شعرگوئی کے لئے راغب کرتے ہیں۔اس لئے آپ کا کلام لفظی بازی گاری اور تصنع سے پاک ہوکر حقائق کی جلوہ سامانیوں سے مزین ہو جاتا ہے۔یہی وصف حضرت نیر ربانی کی شاعری کی پہچان ہے۔

نیر ربّانی کا انتقال اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ہوا۔آپ کی موت سے دنیائے شعروسخن نے صف ماتم بچھ گئی اپنے اور پرائے،دوست اور دشمن سبھی اس نیک سیرت اور خوش خصال انسان کی موت پر اشک بار ہوئے۔ادیب شاعر،معلم،متعلم اور ادبی انجمنیں غرض سبھوں نے آپ کا سوگ منایا اور تعزیتی کلام سے مرحوم کو خراج عقیدت بھی پیش کیا۔

Scanned with CamScanner

تمل ناڈو کے معروف صوفیا کرام اور ان کی ادب نوازی

ڈاکٹر قاضی حبیب احمد

صدر، شعبہ، عربی، فارسی و اردو

یونی ورسٹی آف مدراس

اہل صوف اور ادب:

جس طرح دین اسلام کی معنویت ازل سے ہے اور تا قیامت برقرار رہے گی اسی طرح تصوف کی ضرورت اور معنویت بھی دورِ نبوی سے قائم ہے اور اس کا سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔ آج روحانیت کے فقدان سے لوگ سخت حیران و پریشان نظر آرہے ہیں۔ باطل فرقے اس سچویشن سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف لوگوں کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ مادہ پرستی سے سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے لیکن سکونِ قلب اور ذہنی یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی۔ روحانی تسکین کے لئے خداشناسی اور عبد و معبود کے تعلق کا صحیح عرفان لازمی ہے۔ اس کے لئے جو راستہ اختیار کیا جاتا ہے وہی شریعت و طریقت ہے۔ خداشناسی کے لئے خداشناسوں کی تلاش کی جاتی ہے اور یہی تصوف ہے۔ اس سے ہٹ کر جتنے راستے ہیں سب باطل ہیں۔ تصوف دین اسلام سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں بلکہ دین راسخ کی تفہیم و تشریح کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف تصوف سے روگردانی کا رجحان عام ہو رہا ہے تو دوسری طرف اہلِ تصوف میں سے بعض حضرات کی بے راہ روی سے بھی سلوک کی بدنامی ہو رہی ہے۔ صرف رسم باقی رہ گئی ہے اور اصلی تصوف مفقود ہوتا جارہا ہے۔ دونوں ہی روشیں اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔ اس افراط و تفریط سے اہل اسلام کو نکالنا فی زمانہ بہت ضروری ہوگیا ہے۔ کیونکہ آج دنیا روحانیت کی پیاسی نظر آرہی ہے اور تصوف کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس موقعہ پر انسانیت کی صحیح رہنمائی نہیں کی گئی تو دنیا ایک ایسے انتشار سے دوچار ہو جائے گی جو قیامت سے کم نہیں ہوگا۔

اہل صوف کے پاس انسانی اقدار کی پاسداری:

انسانی جذبات کی پاسداری دنیا کے تمام مذاہب میں صرف مذہب اسلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مذہب اسلام کی روح اور اس کا جوہر ہی تصوف ہے۔ اگر اسلام دودھ کی طرح ہے تو تصوف مکھن کی مثال ہے جو دودھ ہی کا جوہر بلکہ اور زیادہ خالص صورت ہے۔ لہٰذا حضرات صوفیائے کرام کے پاس انسانی اقدار کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اس لئے کہ ریاضت اسی بات کی ہوتی ہے کہ آدمی انسان بن جائے۔ اسی خیال کو غالبؔ نے بھی پیش کیا تھا۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

Scanned with CamScanner

خدمت خلق ایسی اہم صفت ہے جس کو اپنا کر انسان احسن تقویم کے زمرہ میں جگہ پاتا ہے۔ یہ جذبہ انسان میں اور بہت سی دوسری صفات پیدا کرتا ہے جن میں حق گزاری، حق شناسی، رقت قلب، احساس، رحمدلی، دلداری و دل آسائی، عدل وانصاف، نفاق سے دوری وغیرہ سرفہرست ہیں۔ انبیاء علیہم السلام وصوفیائے کرامؒ نے اس صفت کو بہت اہمیت دی ہے کہ مخلوق کی خدمت، دراصل خالق کی خدمت ہے۔

مولانا روم اپنے مخصوص لہجہ میں فرماتے ہیں:

رنجِ یک جزوے زتن رنجِ ہمہ ست ☆ گردم صُلح ست یا خود ملحمہ است

(یعنی جسم کے ایک جزو (عضو) کی تکلیف سب کی تکلیف ہے خواہ وہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا)

ہندوستان روحانیت کی آماجگاہ:

ہندوستان ازل سے خدا ترسی اور روحانیت کے لئے آماجگاہ بنا رہا ہے۔ یہاں مختلف قوموں کا ہزارہا برسوں سے رجوع رہا اور مختلف مذاہب کے لئے یہ سرزمین منبع ومرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہندو مذہب کے علاوہ جین مت، بدھ مت اور سکھ مذہب کی یہیں داغ بیل پڑی تھی۔ عربوں کی آمد کا بھی سلسلہ بہت قدیم سے رہا ہے۔ جاہلیت کے زمانے سے عرب ہند تجارتی تعلقات قائم رہے ہیں۔ اس پر سید سلیمان ندوی نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے''۔ ۱ علامہ اقبال نے اسی حدیث کو نظم کیا ہے۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام نے زمانہ رسالت کے بعد برابر وقتاً فوقتاً ہندوستان کا رخ کرتے رہے اور برابر یہ ملک ہدایت کی شعاعوں سے ہر زمانے میں روشنی حاصل کرتا رہا۔ حضرات صوفیائے کرام کے اخلاق، محبت، خلوص اور ان کی انسان دوستی ہی تھی جس نے ہندوستان میں اسلام کے پھیلنے کے لئے راستہ ہموار کیا۔ لہٰذا ہر صوفی کے ہاں انسانی اقدار کی الگ سے تلاش بے معنی سی بات ہے۔ ہر صوفی اپنی جگہ انسانی اقدار کا علم بردار اور ترجمان ہوتا ہے۔ خود ہر صوفی کا تذکرہ انسانی قدروں کی الگ الگ حیثیت سے نمائندگی کرتا ہے۔ حضرات صوفیاء کرام اپنی خانقاہوں میں صحیح معنوں میں مثالی انسان بنانے ہی کا تو کام کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ دراصل یہ خانقاہیں انسان بنانے کے کارخانے ہیں۔

جنوبی ہند میں تصوف:

ڈاکٹر سیدہ جعفر اپنی مشہور تصنیف ''من سمجھاون'' کے مقدمے میں لکھتی ہیں۔

''جنوبی ہند اجالوں کا دیس ہے۔ یہاں کی فضاؤں میں صدیوں صوفیوں کا سرمدی نغمہ گھلتا

رہا۔اور ہدایت کے شمعیں جگمگاتی رہیں۔اولیاء اور اصفیاء نے اسی سرزمین پر اخوت کے ابدی نقش چھوڑے۔صداقت کے امر گیت گائے اور عشق کا پرچار کیا'' ۲

جنوبی ہند کے تمدن پر حضرات صوفیائے کرام اور اسلامی مبلغوں نے دیرپا اثرات چھوڑے ہیں۔ان کی آمد سے جنوبی ہندوستان میں ذہنی بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔وہ توحید، مساوات، اخوت، امن وآشتی کا پیغام اپنے ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی عوام کو توہم پرستی، گمراہی اور بے دینی کے اثرات سے نجات دلائی اور ایک پاکیزہ تمدنی زندگی کا تصور پیش کیا۔ان حضرات گرامی نے اسلام کی اصل روح سے عوام کو روشناس کرانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے معاشرتی زندگی کا لائحہ عمل پیش کیا۔میں نے ذیل میں ریاست مدراس یا تمل ناڈو کے ابتدائی دور کے مشہور و معروف صوفیاء کرام کے حالات نہایت اجمال واختصار سے پیش کئے ہیں۔

حضرت نطہر اولیاء :

ترچنا پلی جنوبی ہند کا ایک قدیم شہر ہے۔ساتویں صدی ہجری میں یہاں مشہور مبلغ حضرت نطہر اولیاء نے آکر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ڈاکٹر تارا چند اور علامہ عبداللہ یوسف علی کا بیان ہے کہ ترچنا پلی اور مدورا کے رواتن کے مطابق انھیں تبدیلی مذہب کے لئے نطہر اولیاء نے آمادہ کیا تھا۔ ۳ ''تذکرہ اولیائے دکن'' میں حضرت نطہر اولیاء کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نطہر اولیاء سادات کے ایک مشہور گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔آپ کے جد امجد ممالک روم کے امراء وحکام سے تھے۔جب آپ کے والد سید احمد کبیر کا انتقال ہوا تو آپ والد کے قائم مقام ہوئے۔لیکن بہت جلد آپ نے اپنی ریاست کو خیر باد کہہ کر درویشی کر لی۔اکثر امراء بھی آپ کے ساتھ ہوگئے اور اپنی دولت وثروت کو ٹھکرا کر درویشی اختیار کر لی۔لشکر سے بھی تقریباً نوسو سپاہی آپ کے ساتھ ہوگئے۔حج وزیارت سے فارغ ہو کر مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے آپ ترچنا پلی پہنچے اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ ۴ آپ کے تاریخ وفات میں بہت اختلاف ہے۔بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ کا وصال ۱۲۲۵ء میں ہوا۔لیکن مولف بہار اعظم جاہی نے آپ کی تاریخ وفات ۱۲۷۴ء بتائی ہے اور قطعہ تاریخ بھی دی ہے۔ ۵

بابا فخر الدین گنج الاسرار:

حضرت نطہر اولیاء کے خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت بابا فخر الدین گنج الاسرار نے حاصل کی۔آپ کے والد سیستان کے حکمران تھے۔بابا فخر الدین کو جب جانشین بنایا گیا تو آپ اپنے بھائی کے حق میں حکومت سے دست بردار ہوئے اور خود مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔بالآخر ترچنا پلی پہنچ کر حضرت نطہر اولیاء کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔پیر ومرشد نے آپ کو ''بابا فخر الدین گنج الاسرار گاہ ست وگاہ ہشیار'' کا خطاب

دیا۔آپ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔۱۲۹۵ءکو وصال فرمایا۔شہر مدراس سے دیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر پلی گنڈہ نامی مقام پر آسودہ خاک ہیں۔

حضرت سید عبدالقادر ناگوری:

حضرت سید عبدالقادر ناگوری کی وجہ سے جنوب بعید کا شہر ناگور اسی طرح مرجع خلائق ہے جس طرح شمالی ہند میں اجمیر شریف۔حضرت سید عبدالقادر ناگوری ۱۵۰۲ءکو مانک پور میں پیدا ہوئے۔سترہ برس کی عمر میں جویائے حق کے جوش میں ترک وطن کر کے حضرت سید محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں حاضر ہوگئے، جن کے تصرفات باطنی نے ہندوستان کے صوفیائے کرام کی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ دیا ہے۔عمر کا ایک بڑا حصہ ریاضتوں میں گذارا۔پھر حج و زیارت کے لئے نکلے۔کئی ملکوں اور شہروں کی سیاحت کے بعد ناگور پہنچے، جو مدراس کے قریب ساحل سمندر پر آباد اور تجارتی حیثیت سے نہایت بارونق شہر ہے۔ساحلی شہروں پر اسلامی نوآبادیاں قدیم سے قائم ہیں۔آپ نے اسی اسلامی شہر کو اشاعت دین کے لئے مرکز بنانا طئے کیا۔راجہ تنجاؤر نے بھی، جس کے ماتحت یہ شہر تھا بخوشی اجازت دے دی۔حضرت موصوف نے جنوبی ہند میں اسلام کی بنیادیں مضبوط کرتے ہوئے ۱۵۷۰ءکو انتقال کیا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔آپ کی مزار شریف ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں عقیدت اور احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

نواب سعادت اللہ خاں کے دور حکومت میں دارالحکومت شہر آرکاٹ میں مشائخین کی بڑی کثرت تھی۔چنانچہ صاحب ''تصرفات برہانی'' لکھتے ہیں۔

> ''اس زمانے میں شہر آرکاٹ میں تین سو ساٹھ مکانات مشائخین کے تھے۔ارکاٹ میں حضرت سید علی محمد الحسینی القادری صبغۃ اللّٰہی کا مرتبہ ممتاز تھا۔اور اس وقت کے کل مشائخین کے مکانات میں آپ کا مکان ''سر مکان'' کہلاتا تھا۔چنانچہ اب تک تاج پورہ کا مکان ''سر مکان'' کہلاتا ہے۔ارکاٹ، مدراس، رائی پیٹ اور ویلور وغیرہ اطراف کے مشائخین وغیرہ میں اس مکان کی بہت بزرگی ہے۔'' ۲

نواب سعادت اللہ خاں کے دور حکومت میں آرکاٹ آنے والوں میں بیجاپور کے حضرت سید علی محمد الحسینی القادری صبغۃ اللّٰہی اور حضرت عبدالقادر میراں شاہ ولی اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت سید شاہ حمید اولیاء:

حضرت سید شاہ حمید اولیاء، نواب ذوالفقار خاں کے عہد میں دہلی سے تشریف لائے اور جنوب کے مشہور اصنام پرستی کے گڈھ کانچی پورم میں رہائش اختیار کی۔ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں میں یکساں عزت و توقیر کا مقام حاصل کیا۔آپ کو حضرت امین الدین اعلیٰ سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔نواب علی دوست خاں نے آپ کی مزار پر گنبد تعمیر

Scanned with CamScanner

کیا۔آپ کے حالات پر تذکروں میں زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔

حضرت سید شاہ عبدالقادر میراں شاہ ولی اللہ جبلی:

سید شاہ عبد القادر المعروف بہ سید شاہ ولی اللہ جبلی صاحب سلوک بزرگ تھے۔آپ صوفیاء کے اس مشہور خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جس کا سلسلہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے جاملتا ہے۔ مشہور صوفی سید ہاشم خداوند ہادی آپ کے دادا تھے۔ مذہب کی تلقین وتبلیغ کے لئے آپ نے دکنی زبان کا استعمال کیا۔آپ کا تصنیف کردہ ایک رسالہ ''خلاصۃ الرویۃ'' اسٹیٹ لائبریری، حیدرآباد میں موجود ہے۔اس میں انھوں نے مسائل تصوف کی آسان اور دل نشین تشریح فرمائی ہے۔آپ کے فرزند سید شاہ محمد حق نمانے اپنی مشہور مثنوی ''خزانہ عبادت'' میں اپنے والد اور پیر ومرشد کے بارے دلی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھیں بارہویں صدی کے ولیوں میں سب سے بلند مرتبت سمجھتے ہیں۔اور یہ کہ وہ اکثر آدم کی پہاڑی کے سر رابوں میں مصروف عبادت رہا کرتے تھے اور وہیں چلہ کشی فرمایا کرتے تھے۔اسی مناسبت سے آپ کو ''منزوی الجبلین'' کہا جاتا ہے۔یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کی حفاظت کے لئے شیر مامور ہوا کرتے تھے۔آپ کا انتقال ۱۷۳۳ء کو ہوا۔ ۷ آپ کا مزار شہر آرکاٹ سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ''آدم پہاڑی'' پر واقع ہے اور مرجع خلائق ہے۔

حضرت شیخ محمد مخدوم ساوی:

اٹھارویں صدی عیسوی میں صوبہ کرناٹک میں آپ کے فضائل وکمالات کی بڑی شہرت تھی۔مؤلف ''انوار اقطاب ویلور'' کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم ایک صاحب تصرف بزرگ تھے جو علوم ظاہری ومعنوی میں یگانہ روزگار تھے۔انھیں کی پیہم کوششوں کا نتیجہ تھا کہ کرناٹک کے اندر رفض کا بڑھتا ہوا سیلاب رکا۔جنھوں نے شریعت مصطفویہ کی اشاعت فرما کر خلق خدا کی بہت بڑی آبادی کو اس تباہ کن گرداب سے بچایا۔ ۸ شیخ محمد ساوی کے بارے میں ''تذکرہ اولیائے دکن'' میں لکھا ہے کہ ان کے بزرگ ترکستان سے ہندوستان آکر مدراس کے علاقہ میلا پور میں سکونت پذیر ہوئے۔یہ لوگ سپاہی پیشہ تھے۔بعض مؤرخین ان کو مغل قوم سے بتاتے ہیں اور بعض ترک۔ان کے والد کا نام عبدالنبی ساوی تھا۔والد کے انتقال کے بعد دنیا سے دل برداشتہ ہو کر خدا طلبی کی حالت میں کئی سال سرگرداں رہے۔پھر بسنت نگر میں حضرت ناصر الدین شاہ قادری کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔اپنے شیخ سے خرقہ خلافت پا کر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے۔تین سال حرمین شریفین میں قیام کے بعد مدراس لوٹے اور مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔حضرت مخدوم علوم ظاہری وباطنی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔آپ عربی، فارسی اور دکنی نظم ونثر پر قدرت رکھتے تھے۔آپ کا دکنی میں لکھا علم تصوف کا ایک رسالہ ''مفتح الکل'' بصورت مخطوطہ اسٹیٹ لائبریری، حیدرآباد میں محفوظ ہے۔اس میں حمد، مناجات، نعت، اور پھر منقبت صحابہ کے بعد اپنے پیر ومرشد شاہ نصیر الدین کی مدح میں ایک نظم لکھی ہے۔تصوف میں مسئلہ ''غیریت

حقیقی'' آپ ہی کی ایجاد ہے۔ شمس اللہ قادری نے آپ کی ایک کتاب ''مفتاح التوحید'' کا بھی حوالہ دیا ہے۔ ۹ یہ دراصل گجرات کے مشہور صوفی بزرگ شیخ محمد خوب چشتی کی کتاب ''خوب ترنگ'' کے مشکل ابیات کی شرح ہے۔ شیخ مخدوم ساوی بڑے متقی اور صاحب زہد وتقویٰ تھے۔ اکثر خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ ''تذکرہ اولیائے دکن'' میں لکھا ہے کہ

> ''میلا پور، مدراس میں اکثر آپ نصف رات کو سمندر کے کنارے جاتے، تنہائی میں اطمینان و حضور قلب سے اذکار واشغال میں لگے رہتے۔ اس وقت مچھلیاں اور دریائی حیوانات کنارے آتے اور آپ سے بزبان حال ہم کلام ہوتے۔ حضرت ان کا جواب دیتے تھے۔ ۳ رجب ۱۱۶۵ھ مطابق اپریل ۱۷۵۲ء میں آپ نے حیدر آباد میں وفات پائی۔ چھ ماہ تک آپ کو خواجہ رحمت اللہ خاں کے مقبرہ میں امانتاً رکھا گیا۔ پھر میلا پور منتقل کیا گیا۔'' ۱۰

''اردوئے قدیم'' میں شمس اللہ قادری نے حضرت مخدوم کی وفات ۱۲۴۲ء درج کی ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ ویلوری:

بیجا پور کی سیاسی افراتفری اور معاشی بحران کی وجہ سے وہاں سے ہجرت کرنے والوں میں حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری بھی تھے۔ آپ بیجا پور سے شاہ نور گئے۔ پھر سرا اور آرکاٹ میں کچھ عرصہ قیام کر کے ویلور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ سے ایک ایسے خاندان کی بنیاد پڑی جس کے اکثر افراد اپنی علمی، ادبی، مذہبی اور تبلیغی سرگرمیوں کے لئے عربی و فارسی کے علاوہ اردو زبان کا بھی استعمال فرمایا۔ قربیؔ، ذوقیؔ، محوی اور حضرت قطب ویلور وغیرہ اس خاندان کے ایسے جگمگاتے ستارے ہیں جن کے کارناموں سے پوری ریاست ایک صدی سے بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ حضرت قربیؔ ۱۷۰۶ء کو بیجا پور میں پیدا ہوئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے ساتھ ساتھ سلوک و معرفت کی تحصیل کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ خاندانی اثرات کی وجہ سے شروع ہی سے آپ کی طبیعت کا میلان فقر وقناعت، ریاضت وعبادت کی طرف رہا۔ آپ نے تصوف کے مختلف سلسلوں میں اپنے عہد کے بڑے بڑے شیوخ جیسے حضرت محمد فخر الدین نائطی، حضرت سید علی محمد، حضرت خواجہ سید رحمت اللہ اور حضرت شیخ مخدوم ساوی کے ہاتھ پر بیعت اور خلافت حاصل کی۔ حضرت قربیؔ نے قوم کی اصلاح اور دینی تربیت کے لئے مختلف دینی مسائل پر فارسی میں متعدد رسالے لکھے۔ حضرت قربیؔ کے اٹھارہ فارسی کے مختصر رسالوں کا مجموعہ ''مجموعہ رسائل قربی'' کے نام سے حضرت مکان ویلور سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کو شاعری سے خاص مناسبت تھی۔ آپ نے ۳۴ برس کی عمر میں ۱۷۳۱ء میں اپنا اردو دیوان مرتب فرمایا۔ ۱۱ آپ کی شاعری صوفیانہ حقائق اور معارف سے لبریز ہے۔ اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کے لئے آپ نے شاعری کو آلہ کار بنایا۔ اپنے عارفانہ تجربات اور سلوک و معرفت کی باتیں بڑی عمدگی کے ساتھ سلیس پیرائے میں بیان کی ہیں۔ قربیؔ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ یعنی سارا عالم باری تعالیٰ کی تجلیات کا مظہر ہے۔ حضرت قربیؔ کی نگاہ دوررس اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

نہیں ہے غیر حق موجود جگ میں　　تجلی اس کی سارا انجمن ہے
ہے ظہور اس کا آسمان و زمین　　خاک ہور آب ہور آتش وباد

حضرت قربی، ولی دکنی کی شاعری سے بہت متاثر تھے۔ولی اور قربی کے ملتے جلتے اشعار کے متعدد نمونے پروفیسر سید محمد فضل اللہ نے اپنے مقدمہ ’’دیوان قربی‘‘ میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’’صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان (قربی) کے پیش نظر ولی کا دیوان تھا۔اور انھوں نے اپنی طرز پر ولی کا تتبع کیا ہے۔ولی کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔‘‘ ۱۲

ڈاکٹر افضل الدین اقبال لکھتے ہیں۔

’’جس طرح ولی اورنگ آبادی کے دیوان سے شمالی ہند میں اردو شاعری کی تحریک ہوئی۔اسی طرح جنوبی ہند اور علاقہ مدراس میں قربی کے دیوان سے اردو شاعری کا آغاز ہوا۔اس ادبی تحریک سے کئی دکنی شعراء پیدا ہوئے۔اور رفتہ رفتہ شعر وشاعری کا ذوق جنوبی ہند میں بھی عام ہوگیا‘‘ ۱۳

قربی کا ’’معراج نامہ‘‘ جنوبی ہند کی ایک مشہور کتاب ہے اور اردو کے قدیم معراج ناموں میں سے ایک ہے۔اس کے جملہ اشعار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ہیں۔قربی کی دیگر تصانیف میں ’’نمک نامہ‘‘، ’’ہدایت نامہ‘‘، ’’بدعت نامہ‘‘، ’’چکی نامہ‘‘ قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ تراب چشتی:

شاہ تراب چشتی کا اصل نام تراب علی تھا۔جنوبی مدراس کے علاقہ ترنامل میں آپ کا تکیہ تھا۔تصوف، فلسفہ، حکمت اور علم رمل کے ماہر تھے۔علوم متداولہ کے ماہر تھے۔عربی، فارسی، مرہٹی اور سنسکرت سے بخوبی واقف تھے۔شاہ تراب کی زندگی کا ایک قابل لحاظ حصہ جادہ پیمائی میں بسر ہوا۔آپ ہمہ اوست کے نظریے کے زبردست حامی تھے۔ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ نظریہ ان کے متصوفانہ تصورات کا نچوڑ ہے۔آپ ایک پرگو شاعر اور کثیر التصانیف صوفی بزرگ تھے۔آپ کی تصانیف میں ’’گیان سروپ‘‘ ، ’’ظہور کلی‘‘(۱۷۵۷ء)، ’’من سمجھاون‘‘ (۱۷۵۷ء)، ’’گلزار وحدت‘‘ (۱۷۵۹ء)، ’’گنج الاسرار‘‘ (۱۷۶۵ء)، مثنوی ’’مہ جبین وملا‘‘ اور ’’آئینہ کثرت‘‘ (۱۷۷۳ء) قابل ذکر ہیں۔شاہ تراب کی یہ ایسی تصانیف ہیں، جن کے مجموعی اشعار کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔شاہ تراب نے مثنوی اور نظم کے علاوہ غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔غزل میں بھی وہ اپنی دوسری شعری تخلیقات کی طرح معرفت اور تصوف کے نکات بیان کئے ہیں۔مگر ان کا روئے سخن محبوب حقیقی کی طرف ہوتا ہے۔ ۱۴ شاہ تراب کی اہم اور معرکتہ الآرا مثنوی ’’من سمجھاون‘‘ ڈاکٹر سیدہ جعفر کے بسیط مقدمے اور مفید حواشی کے ساتھ ۱۹۶۴ء کو حیدرآباد سے شائع ہوچکی ہے۔ یہ مثنوی مرہٹی کے مشہور فلسفی وشاعر رام داس کی ’’شری مناچے شلوک‘‘ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔’’من سمجھاون‘‘ میں ڈاکٹر

سیدہ جعفر کے اسی مقدمے سے شاہ تراب کے حالات پر روشنی پڑتی ہے ورنہ ان پر قدیم تذکروں میں کہیں کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

حضرت باقر آگاہ ویلوری:

حضرت باقر آگاہ عربی النسل تھے۔آپ کا خاندان پہلی صدی ہجری میں تبلیغ اسلام اور بحری تجارت کی غرض سے جنوبی ہند آیا تھا۔آگاہ کے والد مولوی محمد مرتضیٰ نے عادل شاہی سلطنت کے خاتمے کے بعد بیجاپور سے ہجرت کرکے ویلور میں سکونت اختیار کی تھی۔باقر آگاہ اسی شہر میں ۱۷۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۵ ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولوی محمد حبیب اللہ سے حاصل کی۔ پھر مولوی ولی اللہ اور مشہور عالم وصوفی حضرت قربی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ۱۶ حضرت قربی سے ظاہری اصلاح کلام و باطنی فیض حاصل کیا۔استاد کی پہلی ہی نگاہ کیمیا اثر نے شاگرد کے مس خام کو کندن بنادیا۔باقر آگاہ کی علمی قابلیت کا شہرہ جب نواب والا جاہ کے کانوں تک پہنچا تو اپنے دونوں صاحب زادوں نواب عمدۃ الامراء اور نواب امیر الامراء کی اتالیقی آپ کے سپرد کی،اور ساتھ ہی الپور کی جاگیر عطا کی۔اور پھر جلد ہی اپنا دبیر خاص بھی بنالیا۔باقر آگاہ کا شمار اپنے وقت کے متبحر علماء میں ہوتا ہے۔انھیں تفسیر،حدیث،فقہ،منطق،فلسفہ اور ادب سے یکساں دلچسپی تھی۔وہ متعدد زبانیں جانتے تھے۔عربی،فارسی اور اردو کے تو جید عالم تھے۔اس کے علاوہ سنسکرت، برج بھاشا اور تلیگو کے بھی ماہر تھے۔مؤلف ''سخنوران بلند فکر'' لکھتے ہیں۔''ذہانت خداداد سے پندرہ سال کی عمر میں نظم ونثر لکھنے پر قادر ہوگئے'' ۱۷ کہا جاتا ہے کہ آگاہ نے عربی،فارسی اور اردو میں تین سو تین کتابیں تحریر کی تھیں۔آگاہ دکنی شاعری اور دکنی شعراء کی افضلیت کے قائل تھے۔ابتدا میں ان کے کلام پر دکنی اثر نمایاں تھا۔لیکن جب شمالی ہند سے مرزا اظفری گورگانی، حافظ فضل علی ممتاز دہلوی اور حکیم عظیم الدین تجمل لکھنوی جیسے شعراء مدراس آئے تو آگاہ نے قدیم دکنی زبان کا استعمال ترک کردیا۔باقر آگاہ ایک صوفی منش انسان اور خداترس بزرگ تھے۔دربار سے وابستگی انھیں راس نہیں آئی۔طوعاً وکرہاً کچھ عرصہ نواب زادون کی اتالیقی اور نواب صاحب کی دبیری کے فرائض ایک حق شناس عالم دین کی حیثیت سے انجام دئے۔لیکن جلد ہی علاحدگی اختیار کرلی۔آپ کو عورتوں کی تعلیم کا بہت خیال رہتا تھا۔لہٰذا کئی رسالے دکنی زبان میں صرف عورتوں کے لئے لکھے۔سلوک اور اہل سلوک کے مسائل اور رہنمائی کے لئے بھی آپ نے بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔آپ کے تصانیف کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ یہ صفحات اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔باقر آگاہ کا انتقال ۱۸۰۵ء کو مدراس میں ہوا۔

حضرت عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی:

لکھنو کے مشہور عالم دین اور ولی کامل حضرت عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی ۱۷۹۰ء کو نواب والا جاہ کی درخواست پر مدراس تشریف لائے اور اپنی زندگی کے آخری اکیس سال یہیں رشد وہدایت کی خدمت میں بتائے۔آپ کی آمد پر نواب والا جاہ نے شاندار استقبال کا اہتمام کیا تھا۔آپ کی پالکی محل میں داخل ہوئی تو خود نواب والا جاہ نے بڑھ کر پالکی کو کاندھا دیا

تھا۔آپ کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔کسی بادشاہ اور حکمران کی جانب سے علم پروری کی ایسی مثال شاید پوری تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی۔حضرت بحر العلوم کی ''شرح مثنوی مولانا روم'' اور ''شرح فواتح الرحموت'' بہت مشہور ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ ''عرب ہند کے تعلقات'' از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۳ مطبوعہ ۱۹۳۰

۲۔ مقدمہ ''من سمجھاون'' از ڈاکٹر سیدہ جعفر، ص ۱ مطبوعہ ۱۹۶۴

۳۔ The Influences of Islam In Indian Culture از ڈاکٹر تارا چند ص ۴۰

The Making of India از عبداللہ یوسف علی ص ۷۳

۴۔ تذکرہ اولیائے دکن، حصہ اول، از عبدالجبار ملکاپوری ص ۱۹۳ تا ۱۹۸

۵۔ بہار اعظم جاہی، از غلام عبدالقادر ناظر، ص ۱۱۳، مطبوعہ مدراس

۶۔ تصرفات برہانی، از حاجی میر روشن علی قادری، ص ۳۵

۷۔ مضمون ''سلسلہ بندہ نواز کے ایک صوفی خاندان کی اردو خدمات''، از، ڈاکٹر ہاشم علی، ماہنامہ ''سبرس''، حیدر آباد، نومبر ۱۹۷۸ء

۸۔ ''انوار اقطاب اشرفی'' از محمد طیب الدین اشرفی، ص ۱۹ مطبوعہ ۱۹۶۳ء

۹۔ ''اردوئے قدیم'' از شمس اللہ قادری ص ۵۱ مطبوعہ ۱۹۳۰ء

۱۰۔ ''تذکرہ اولیائے دکن'' (حصہ دوم) از عبدالجبار ملکاپوری ص ۹۸۷

۱۱۔ مقدمہ ''دیوان قربی'' از پروفیسر سید فضل اللہ ص ۳۳ مطبوعہ ۱۹۶۴

۱۲۔ مقدمہ ''دیوان قربی'' از پروفیسر سید فضل اللہ ص ۳۲ مطبوعہ ۱۹۶۴

۱۳۔ ''مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما'' (حصہ اول) از ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال ص ۱۲۵ مطبوعہ ۱۹۷۹ء

۱۴۔ مقدمہ ''من سمجھاون'' از ڈاکٹر سیدہ جعفر، ص ۸۱ مطبوعہ ۱۹۶۴

۱۵۔ ''محمد باقر آگاہ'' از پروفیسر یوسف کوکن ص ۲ مطبوعہ ۱۹۵۸ء

۱۶۔ ''تذکرہ گلزار اعظم'' از نواب محمد غوث خاں ص ۸

۱۷۔ سخنوران بلند فکر'' از پروفیسر محمد منور خاں گوہر ص ۱۳۳

اردو میں جنگ مخالف شاعری

ڈاکٹرامان اللہ ایم بی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی جنگ کو انسان کے بغض وحسن کے جذبات نے قائم کیا تھا۔ (واتلُ علیھم نبا بنی اٰدم بالحق ...قال لاقتلنک قال انما یتقبلللہ من المتقین)۔آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح قصہ ان لوگوں کو سنا دو جب کہ ان دونوں نے خدا کے لئے قربانی کی لیکن ایک کی مقبول اور دوسرے کی نامقبول ہوئی۔اس پر دوسرے نے حسد بھرے لہجے میں کہا ''میں تجھ کو قتل کردوں گا۔دوسرے نے جواب دیا کہ یہ حسد ناحق ہے۔'' اسلام سے پہلے جنگ کا پیکرِ خونیں روح وحقیقت یعنی مقصد سے بالکل خالی تھا اور دنیا کے ہاتھ کشت وخون کے بعد ندامت کے سوا کچھ نہیں آتا۔اسی لئے دور جاہلیہ کا شاعر جنگ کے آخری نتائج کا ذکران حسرت آمیزالفاظ میں کرتا ہے کہ

فابوا بالرماح مسکرات و ابنا با لسیوف قد انحنینا

(وہ لوگ ٹوٹے ہوئے نیزے اور ہم کج شدہ تلواریں لے کر میدان جنگ سے واپس آئے) یہی وجہ ہے کہ اس وقت دنیا کی زبانوں میں جنگ کے لئے کوئی ایسا لفظ وضع نہیں کیا گیا جو اس کے مقصد پر دلالت کرتا ہو مگر جنگ کے تمام نام محض اس کے اوصاف ونتائج ہی کا بیان تھے لیکن اسلام نے جنگ کو [جہاد] کی وسیع اصطلاح کے ماتحت لا کر اس کے مقاصد اور حقیقت کو اس کے نام ہی سے واضح کردیا۔

ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور چبانے کے اور ہوتے ہیں اسی طرح جنگ بھی ظاہری و باطنی دو قسم کے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔سیاست کی زبان ظاہری اسباب دکھا کر دنیا سے اپنے ہجوم واقدام کے جواز کا فتویٰ لے لیتی ہے اور جنگ کے حقیقی اسباب ان کے پردے کی تاریک آڑ میں چھپا دیتی ہے۔انسان فطرتاً مادہ پرست ہے اس لئے مادی چیزوں کو اپنا حقیقی سرمایہ سمجھتا ہے۔زمانہ جنگ میں دنیا سرگرمِ فغاں نظر آتی ہے انسانیت ماتمِ کبریٰ میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ ہمدردی مرثیہ خوانی کرتی پھرتی ہے۔رحم دلی کا نوحہ دل گداز دلوں کو پانی پانی کردیتا ہے لیکن جب سوال کیا جاتا ہے کہ یہ نالہ وفغاں یہ نوحہ وماتم یہ مرثیہ دلسوز ودل گداز کس متاع عزیز کی گم شدگی پر ہے؟ تو بہتے ہوئے خون کا ایک سیلاب تڑپتی ہوئی لاشوں کا ڈھیر کٹے ہوئے سروں کا ایک تودہ دکھایا جاتا ہے جن کو حوادث زمانہ نے اس لئے ایک جگہ جمع کردیا ہے کہ ٹھوکر لگانے کے لئے اسی قسم کا ناہموار نشیب وفراز موزوں ہے۔

زمانہ جنگ میں مال ودولت کی بربادی کا منظر صرف دنیا کے ایک بدقسمت حصے میں نظر آتا ہے لیکن عقلی لوٹ مار

Scanned with CamScanner

عام ہوجاتی ہے ہر جگہ سر ہی سر ہوتے ہیں مگر سر میں کچھ نہیں ہوتا۔ مادی غارتگری کا صرف ایک ہی اثر ہوتا ہے۔ جو فقر و فاقہ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ واقعات جنگ کا نمایاں اثر ہمارے روزانہ طرزِ معاشرت پر بھی پڑتا ہے۔ جنگ کے ذریعہ ہر قسم کے مذہبی، ملکی اور اخلاقی انقلابات نہایت سرعت کے ساتھ نمو پذیر ہوتے ہیں۔

ادیب یا شاعر اپنی ذاتی زندگی میں خواہ کیسا ہی ہو مگر جب وہ فن کی بات کرتا ہے تو سچائی اور حقیقت کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جس ملک میں مختلف قسم کی تحریکیں چل رہی ہوں وہاں ادیب یا شاعر ان سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ انسانیت کی ناقدری، ناانصافی، رنگ اور نسل کا امتیاز جیسے مسائل جہاں موجود ہوں، وہاں ادیب چپ کیسے رہ سکتا ہے؟ حب الوطنی، سماجی مسائل اور ترقی، جنگ اور امن، رنگ اور نسل، یہ ایسے موضوعات ہیں، جن سے کسی نہ کسی سطح پر ہمارا تعلق ضرور رہتا ہے۔ انسانیت کے خلاف جب جب ظلم ہوا تو ادیب یا شاعر اپنی آواز بلند کرتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دنیا دوسری عالمی جنگ سے نبرد آزما تھی تب ساحر لدھیانوی نے کہا تھا:

بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر — روح تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے — زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں کے پیچھے ہٹیں — کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ — زندگی میتوں پہ روتی ہے

ادب اور سماج کا آپس میں بہت بڑا رشتہ ہے بالخصوص بیسویں صدی کے نصف اول میں، یہ رشتہ کچھ زیادہ ہی گہرا ہوگیا تھا جب کہ انگریزوں کے ظلم وستم اپنی انتہا پر تھے۔ تقسیم بنگال پر پہلی بار یہاں کے عوام نے اپنے غم وغصے کا اظہار کھل کر کیا۔ اردو شاعری کی تاریخ میں حالی اور شبلی دو ایسے شاعر ہیں، جنہوں نے ملک کی یکجہتی اور حب وطنی کا اظہار سب سے پہلے کیا اور آپسی اتفاق واتحاد پر زور دیا۔ یہی آپسی اتفاق گویا جنگ مخالف اندازِ نظر کا پیش خیمہ ہے۔

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو — اٹھو اہل وطن کے دوست بنو
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر — نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
ملک ہیں اتفاق سے آزاد — شہر ہیں اتفاق سے آزاد
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی — اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

پنڈت برج نرائن چکبست کا نام اردو شاعری کی تاریخ میں نہایت اہم ہے۔ ان کی شاعری میں حب وطن اور قومی یکجہتی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ان کی شاعری کا زندگی سے ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ جہد آزادی میں ان کی شاعری وقت کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چل رہی تھی۔ چکبست کی نظموں کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر

سیاسی واقعات سے متاثر ہو کر کہی گئی ہیں۔ جوانوں کے جینے کے ڈھنگ پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

موجود ہے جن بازوؤں میں زور جوانی — طوفان سے انہیں کشتی قومی ہے بچانی
پر ہے مئے غفلت سے سروں میں یہ گرانی — آرام پسندی میں یہ رکھتے نہیں ثانی
پہلو میں کسی کے دل دیوانہ نہیں ہے — ہیں مرد مگر ہمت مردانہ نہیں ہے

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی نظمیں ہیں جن میں آزادی کے متوالوں کی ہمت کو بڑھانے کی کوشش نظر آتی ہے۔ اسی طرح اپنی نظموں میں چکبست ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے نوجوانوں کو للکارتے ضرور ہیں بھیشم اور ارجن کا نام لے کر اپنی قوم کی آبرو بچائے رکھنے کی تلقین کرتے ہیں مگر ان نوجوانوں کو جنگ کرنے پر کبھی اکساتے نہیں ہیں؛

بھنور میں قوم کا بیڑا ہے ہندوؤں ہشیار — اندھیری رات ہے کالی گھٹا ہے اور منجدھار
اگر پڑے رہے غفلت کی نیند میں سرشار — تو زیر موج فنا ہوگا آبرو کا مزار
مٹے گی قوم یہ بیڑا تمام ڈوبے گا — جہاں میں بھیشم وارجن کا نام ڈوبے گا

چکبست کی ایک اور طویل نظم ہے، جو پوری طرح سے جوش وخروش میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ نظم اس وقت لکھی گئی جب ملک میں ہوم رول کی مانگ اپنے زوروں پر تھی۔ ایسے میں چکبست نے اپنے ہم وطنوں کو انگریزی حکومت سے باز آنے اور ہوم رول قائم کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ اس ترغیب میں بھی شاعر موصوف نے جنگ کا کوئی نظریہ نہیں پیش کیا بلکہ جنگ مخالف احساسات کو ابھا کر امن وآشتی کی بات کہی ہے؛

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہیں سکتا — رگوں میں خوں کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا — دلوں میں آکے یہ ارمان جا نہیں سکتا
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے — نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

جنگ مخالف شاعری کے حوالے سے ساحر کے کلام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ساحر نسل انسانی کی ترقی وفروغ کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر نوجوان نسل کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اسے جو دنیا اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملی ہے، وہ آئندہ نسلوں کو اس سے بہتر اور خوب صورت دنیا دے کر جائے۔ ان کی یہ نظم اس کوشش کا ادبی روپ ہے۔ نسل انسانی کی بقا کا شدید احساس نہ ہوتا تو ساحر یوں نہ کہتے اور یہ احساس جنگ مخالف نظریہ کے بغیر فروغ نہیں پاسکتا اسی لئے ساحر نے ایٹمی بلاؤں کو زمین وآسماں کے لئے ایک بڑا نقصان قرار دیا ہے اور جنگ کے برے نتائج سے ہمیں آگاہ بھی کیا ہے:

ہمارا خون امانت ہے نسل نو کے لیے — ہمارے خون پہ لشکر نہ پل سکیں گے کبھی
کہو کہ آج بھی ہم سب اگر خموش رہے — تو اس دمکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں

جنوں کی ڈھال ہوئی ایٹمی بلاؤں سے — زمیں کی خیر نہیں، آسماں کی خیر نہیں
گزشتہ جنگ میں گھر ہی جلے مگر اس بار — عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں پیکر جلے مگر اس بار — عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں

ساحر کی شاعری 'عرفانِ حقیقت' میں بھی معاون ہے۔ ساحر نے جس طرح حقیقتوں کا عرفان حاصل کیا ہے، ویسا بہت کم شاعروں کو نصیب ہوا ہے۔ ساحر نے حقائق کو متقارب اور متعارض دونوں صورتوں میں محسوس کیا ہے کہ یہ کائنات بنیادی طور پر متضادات، متعادیات اور متبائنات کا مجموعہ ہے۔ حقیقتیں بھی متضاد شکلوں میں منکشف ہوتی ہیں۔ ساحر نے حیات و کائنات کی حقیقتوں کی جستجو کی ہے اور پھر متضاد حقیقتوں کے امتزاج سے ایک تصور کو تشکیل کیا ہے۔ ظلمت میں نور، عیاری میں سادگی، جنگ میں امن، نفرت میں محبت اور اس طرح کے تنوع و تضاد سے شعری تعبیرات تلاش کی ہیں۔ عرفان حقیقت کا عکس ساحر کی بہت سی نظموں میں ہے اور یہ سچ ہے کہ ساحر کی نگاہ میں حقیقت زیادہ واضح انداز میں روشن ہوئی ہے۔ ساحر انسان کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے دشمنوں کے ہر ظلم کو سہے اور کبھی ان کی مخالفت میں اف تک نہ کرے۔ اس صورتحال میں وہ چاہے اپنی میراث کھودے یا اپنی جان و مال سے باز آجائے۔ ذیل کے اشعار اسی بات کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں؛

علم سولی پہ چڑھا تب کہیں تخمینہ بنا — زہر صدیوں نے پیا تب کہیں نوشینہ بنا
سینکڑوں پاؤں کٹے تب کہیں اک زینہ بنا

مرے جہاں میں سمن زار ڈھونڈنے والے — یہاں بہار نہیں آتشیں بگولے میں
دھنک کے رنگ نہیں سرمئی فضاؤں میں — افق سے تا بہ افق پھانسیوں کے جھولے ہیں
بنام امن ہیں جنگ و جدل کے منصوبے — بہ شور عدل، تفاوت کے کارخانے ہیں

ساحر لدھیانوی کی شاعری میں انسانی وجود کو داخلی بحران کی تمام تر شکلوں سے آگاہ کرنے اور ان سے نجات دلانے کی کوشش کارفرما ہے۔ اے شریف انسانو! خون پھر خون ہے، مگر ظلم کے خلاف، ایسی ہی نظمیں ہیں جن میں ساحر نے انسانیت سے ہم آہنگ ادب کی تشکیل کی ہے اور انفرادیت پر اجتماعیت کو ترجیح دی ہے اور یہی 'اجتماعیت' کا انفرادی تصور ان کی تخلیقی عظمت کا ایک اور روشن حوالہ بن جاتا ہے۔

ساحر نے اپنی شاعری میں اس انسانی روح کی شناخت کی ہے جو حد درجہ مضطرب اور ملتہب ہے۔ انسانی روح کی دریافت کا عمل بہت مشکل ہوتا ہے مگر ساحر نے اس روح تک رسائی حاصل کی اور اس کے اضطرابات اور ہیجانات سے انسان کو روشناس کرایا۔ 'چکلے' ایسی ہی ایک نظم ہے جس میں انسانی روح کی کراہ صاف سنائی دیتی ہے۔ ساحر نے ایک 'مجرد

Scanned with CamScanner

جسم، کو روح کی آنکھ سے دیکھا ہے اور اپنے روحانی کرب کا اظہار استفہامیہ انداز میں کر کے انسانی ذہن و ضمیر کو بھی جھنجھوڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ ساحر نے روح کی بات کر کے عالم انسانیت کو جنگ و جدل سے دور رہنے اور اس سے گریز کرنے کا پیغام دیا ہے۔

یہ پر پیچ گلیاں یہ بے خواب بازار ۔۔۔ یہ گمنام راہی یہ سکوں کی جھنکار
یہ عصمت کے سودے یہ سودوں پہ تکرار ۔۔۔ ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں؟
تعفن سے پر نیم روشن یہ گلیاں ۔۔۔ یہ مسلی ہوئی ادھ کھلی زرد کلیاں
یہ بکتی ہوئی کھوکلی رنگ رلیاں ۔۔۔ ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں؟
وہ اجلے دریچوں میں پائل کی چھن چھن ۔۔۔ تنفس کی الجھن پہ طبلے کی دھن دھن
یہ بے روح کمروں میں کھانسی کی ٹھن ٹھن ۔۔۔ ثنا خوان تقدیس مشرق کہاں ہیں؟

ساحر کا ہر ایک شعر دل میں نشتر بن کر چبھتا ہے۔ شاعری میں کرب کی وہی ساری کیفیت اتر آئی ہے جس سے فسادات میں لوگ گزرتے رہتے ہیں، اس کیفیت کا انعکاس اس سے بہتر طور پر شاید ممکن نہ ہو۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا بھی یہی خیال ہے:

> ''فسادات پر نظم و نثر دونوں میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن ان میں سے بہت کم چیزیں زندہ رہ سکیں یا رہیں گی۔ خود ساحر نے فسادات پر نظمیں اور غزلیں لکھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فسادات پر لکھی جانے والی شاعری میں ساحر کی یہ غزل:
>
> طرب زاروں پہ کیا بیتی صنم خانوں پہ کیا گزری ۔۔۔ دل زندہ ترے مرحوم ارمانوں پہ کیا گزری
>
> کامیاب ترین غزلوں میں سے ہے اور اس کے چھ شعروں میں ہر شعر جو زبان زد خاص و عام ہے، بہت ممکن ہے کل بھی زندہ رہے''

ایک اور نظم ہے جس میں انسانی روح کی آواز ہے، لے ہے، فریاد ہے۔ یہ ایک ایسا تخیل ہے کہ تیرہ و تاریک ذہن میں یہ جنم ہی نہیں لے سکتا، انسانیت سے عاری ذہنوں میں ایسے احساس و آہنگ کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہوتی۔ نظم کا عنوان ہے 'اے شریف انسانو!' اور اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

خون اپنا ہو یا پرایا ہو ۔۔۔ نسل آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں ۔۔۔ امن عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر ۔۔۔ روح تعمیر زخم کھاتی ہے

Scanned with CamScanner

کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے　　زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں　　کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ　　زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے　　جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی　　بھوک اور احتیاج کل دے گی
اس لیے اے شریف انسانو!　　جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں　　شمع جلتی رہے تو بہتر ہے
آ اس تیرہ بخت دنیا میں　　فکر کی روشنی کو عام کریں
امن کو جن سے تقویت پہنچے　　ایسی جنگوں کا اہتمام کریں
جنگ وحشت سے بربریت سے　　امن، تہذیب و ارتقاء کے لیے
جنگ مرگ آفریں سیاست سے　　امن، انسان کی بقاء کے لیے
جنگ، افلاس اور غلامی سے　　امن، بہتر نظام کی خاطر
جنگ بھٹکی ہوئی قیادت سے　　امن، بے بس عوام کی خاطر
جنگ، سرمائے کے تسلط سے　　امن، جمہور کی خوشی کے لیے
جنگ، جنگوں کے فلسفے کے خلاف　　امن، پرامن زندگی کے لیے

ساحر کو انسانی روح کا حقیقی عرفان ہے اسی لیے ان کی شاعری روح کی آزادی کا نغمہ ہے۔ وہ ہر اس زنجیر کو توڑ دینا چاہتے تھے جس سے انسانی ذہن، ضمیر اور روح غلام بن جائے۔ ان کے اشعار میں اقتصادی، سیاسی، سماجی آزادی اور مساوات کے جذبے ملتے ہیں اور یہ ان کے مخصوص شعری موضوعات ہیں۔ یہ موضوعات بھی ان کی فن کارانہ عظمت کی علامتیں ہیں، مگر یہاں پھر ایک سوال ہے کہ کیا صرف ان موضوعات کی وجہ سے کوئی فنکار عظیم بن سکتا ہے۔ ساحر نے خدا، انسان، کائنات کے تعلق کے اظہار میں تخیل کی نئی بلندیاں طے کی ہیں۔

زمیں بھی تیری ہے، ہم بھی ترے یہ ملکیت کا سوال ہے　　یہ قتل وخون کا رواج کیوں ہے یہ رسم جنگ وجدال کیا ہے
قدرت نے تو بخشی تھی ہمیں ایک ہی دھرتی　　ہم نے کہیں بھارت کہیں ایران بنایا

انصاف کا ترازو جو ہاتھ میں اٹھائے
جرموں کو ٹھیک تولے

ایسا نہ ہو کل کا اتہاس کار بولے

مجرم سے بھی زیادہ

منصف نے ظلم ڈھایا

انصاف کا ترازو جو ہاتھ میں اٹھائے

یہ بات یاد رکھے

سب منصفوں کے اوپر

اک اور بھی ہے منصف

☆☆☆

مانا کہ اس زمیں کو نہ گلزار کر سکے

کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

آ اس تیرہ بخت دنیا میں

فکر کی روشنی کو عام کریں

امن سے جن کو تقویت پہنچے

ایسی جنگوں کا اہتمام کریں

زمیں نے خون اگلا آسماں نے آگ برسائی

جب انسانوں کے دل بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری

ساحر، اردو شاعری کا پورا آدمی ہے کہ کائنات کے پہلے شاعر آدم وحوا کی طرح اس نے بھی 'باغ بہشت' سے نکل کر اذیتوں میں اپنی پناہ تلاش کی تھی اور عوامی بھیڑ میں اپنے کھوئے ہوئے جذبہ واحساس کو دریافت کیا تھا، وہ احساس جو ایک دردمند اور حساس دل میں ہوتا ہے:

مجھے انسانیت کا درد بھی بخشا ہے قدرت نے

مرا مقصد فقط شعلہ نوائی ہو نہیں سکتا

مرے سرکش ترانوں کی حقیقت ہے تو اتنی ہے

کہ جب میں دیکھتا ہوں بھوک کے مارے کسانوں کو

غریبوں مفلسوں کو بے کسوں کو بے سہاروں کو

Scanned with CamScanner

حکومت کے تشدد کو امارت کے تکبر کو
تو دل تاب نشاط بزم عشرت لا نہیں سکتا
میں چاہوں بھی تو خواب آور ترانے گا نہیں سکتا

ساحر کی ایک اور نظم ''مگر ظلم کے خلاف'' ملاحظہ کیجئے جس میں ظلم کے خلاف نہ صرف آواز اٹھائی ہے بلکہ ظالم کی مزحمت بھی کی گئی ہے اور لشکر باطل پر غالب آنے کی طرف ترغیب بھی دلائی گئی ہے۔ یہ نظم ہر اعتبار سے جنگ مخالف شاعری کی نمائندگی کرتی ہے اس نظم میں ساحر چاہتے ہیں کہ پوری دنیا میں امن کا بول بالا ہو اور جنگ چاہے زر کی ہو یا زمینوں کی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہو جائے۔ یہی پیغام ہم کو ان کی اس نظم سے ملتا ہے۔ اشعار ملاحظہ کیجئے:

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف — گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی
ظالم کو جو نہ روکے وہ شامل ہے ظلم میں — قاتل کو جو نہ ٹوکے 'وہ قاتل کے ساتھ ہے
ہم سر بکف اٹھے ہیں کہ حق فتح یاب ہو — کہہ دو اسے جو لشکر باطل کے ساتھ ہے
اس ڈھنگ پر ہے زور ' تو یہ ڈھنگ ہی سہی — چلتی نہیں ہے شاخ ستم اس زمین پر
تاریخ جانتی ہے زمانہ گواہ ہے — کچھ کور باطنوں کی نظر تنگ ہی سہی
یہ زر کی جنگ ہے نہ زمینوں کی جنگ ہے — یہ جنگ ہے بقا کے اصولوں کے واسطے
جو خون ہم نے نذر دیا ہے زمین کو — وہ خون ہے گلاب کے پھولوں کے واسطے
پھوٹے گی صبحِ امن ' لہو رنگ ہی سہی

جنگ مخالف شاعری میں کلاسیکی شعراء کو چھوڑ کر حالی شبلی اور اقبال کے یہاں کچھ تصورات ضرور ملتے ہیں جن سے براہِ راست جنگ مخالف تصور تو نہیں ابھرتا البتہ امن وسلامتی، پیار و محبت، حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے تصور کے ساتھ ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اقبالؔ اس معاملے میں قدرے آگے ہیں اور اپنی نظم 'جہاد' میں جنگ مخالف تصور کو نہایت ہی خوبی کے ساتھ ابھارنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے — دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کار گر
تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی — دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر

اسی طرح نظم 'آزادی شمشیر کے اعلان پر' اقبالؔ مومن کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ اسے اللہ فقر کی تلوار سے نوازے اور اس تلوار کی بدولت وہ خالد بن ولید اور حیدر کرار جیسی ہمت وشجاعت اختیار کر رے۔ اقبال کہتے ہیں؛

سوچا بھی ہے اے مردِ مسلماں کبھی تو نے — کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار

اس بیت کا یہ مصرع اول ہے کہ جس میں پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار!
ہے فکر مجھے مصرع ثانی کی زیادہ اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار
قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرؓ کرار

اسی بات کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر سے یوں بھی ظاہر کیا ہے؛

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا نگاہِ مردِمومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

چونکہ اقبال کو مسلمانوں سے حد درجہ ہمدردی تھی۔ وہ نہیں چاہتے کہ مسلمان جنگوں میں صف آرا ہو کر دشمنوں کا خون بہائے اس لئے وہ مسلمانوں کو صداقت، عدالت وشجاعت کا سبق یاد دلاتے ہیں اور اسی کی بدولت دنیا کی امامت کا فرض نبھانے کی تلقین کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں؛

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقبال غلامی کو جنگ کا نتیجہ ہی قرار دیتے ہیں کیونکہ جنگ کے اثرات اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور ہر فرد بشر نا اہل ونا کارہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے اقبال کہتے ہیں کہ

غلامی نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

غلامی کی زنجیروں کو جو جنگ کے نتیجہ میں پہنائی جاتی ہیں ان کو مومن کا ذوق یقیں ہی کاٹ سکتا ہے۔ لہذا اقبال کے نزدیک مومن کے پاس اگر ذوق یقیں اور ذوق کامل پیدا ہو جائے تو پھر سماج میں خوشحالی اور ترقی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ ملک کی سالمیت کا انحصار اسی پر ہے کہ ہم ان صفات سے متصف ہو جائیں کہ انسانی زندگی میں امن وآشتی اور محبت و بھائی چارگی کا دور دورہ رہے اور حب الوطنی فروغ پاتی رہے اور جنگ بیزاری کا شعور لوگوں میں بیدار ہوتا رہے۔ بقول غالبؔ:

آزاد رہ ہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل ہرگز کسی سے عداوت نہیں مجھے
ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کردے چمن کے ذرہ ذرہ کو شہید جستجو کردے

اسی طرح مظہر امام، حبیب جالب، عظیم اقبال اور جگر مرادآبادی نے جنگ ونفرت کے بجائے امن ومحبت کا پیغام اور صلح کل کا تصور ہمیں دیا ہے۔ جہاں جہاں تشدد رونما ہوا ہے وہاں وہاں ہمارے شاعروں نے اپنے اشعار کے ذریعے ان کی سخت مزمت کی ہے اشعار ملاحظہ ہوں۔ جگر کہتے ہیں؛

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانے میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اور حبیب جالبؔ کا شعر دیکھئے؛

روشنی کے دشمنوں نے روشنی ہونے نہ دی　　ایک مدت تک خیال وفکر دھندلاتے رہے

اور عظیم اقبال کا کہنا ہے کہ؛

تم نے خود آگ لگائی ہے چمن میں اپنے　　بے سبب گردشِ ایام کو الزام نہ دو

مظہر امام کہتے ہیں کہ

خون اوڑھے ہوئے ہر فرد سراپا نکلا　　آپ کے شہر کا انداز نرالا نکلا

غرض اردو شاعری میں کلاسیکی شعراء سے قطع نظر انیسویں صدی کے بعد سے لے کر جدیدیت تک بیشتر شاعروں نے جنگ مخالف شاعری کے لئے زمین ہموار کی اور ایسی فضا تیار کی کہ ہر شاعر کے کلام میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کے تصورات ابھرنے لگے جو دراصل جنگ مخالف شاعری کا پیش خیمہ ہیں۔

ثروت زہرا کی آزاد نظم ''آدم بو! آدم بو!!'' جس میں ثروت زہرا نے ان تباہ کاریوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی ہے جن سے انسانوں کے خوف میں اضافہ ہوتا ہے، نفرت کی آندھی پیدا ہوتی ہے اور شہر کا پانی زہرِ ہلاہل بن جاتا ہے۔ اس نظم کے ذریعے ثروت زہرا جنگ کے منفی پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور بڑی خوبصورت انداز میں یہ آزاد نظم ہمارے اندر جنگ مخالف تصور کو ابھارتی ہے۔ نظم ملاحظہ کیجئے؛

تم شمشانوں کی خاموشی سے
خوابوں کو پھر باندھ رہے ہو
لوہے کی نوکیلی باڑیں
دل کے اندر چھید کریں گے۔
جنگی ترانے۔۔۔۔۔۔

ارمانوں کے گیت
چرا کر لے جائیں گے
بارودوں کی آگ جلی تو
صحن کے چولھے بجھ جائیں گے
توپوں کی ان آوازوں میں
انسانوں کے خوف بکیں گے
ماں کے آنسو

شہر کا پانی زہر سا کڑوا کر جائیں گے
ہتھیاروں کی دھات تمھاری دھڑکن پی کر
کتبوں اور تابوتوں کی تعمیر کرے گی
نفرت کی آندھی پھر دروازے پر
آدم بو آدم بو چیخ رہی ہے
تم شمشانوں کی خاموشی سے
خوابوں کو پھر باندھ رہے ہو

اسی سلسلے کی ایک اور نظم مشہور پاکستانی شاعر جناب محمود شامی کی ہے جس میں نفرت پھیلانی، خون بہانے اور دوستی محبت کا ڈھونگ رچانے والوں پر وار کیا گیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں؛

دوستی کا دعویٰ ہے، دشمنوں سا لہجہ ہے
حد بھی پار کرتے ہو، روز وار کرتے ہو
سازشوں کے عادی ہو، کیسے اتحادی ہو
خون بھی بہاتے ہو، پیار بھی جتاتے ہو
کتنے گھر گرائے ہیں، کتنے ظلم ڈھائے ہیں
نفرتوں کے عادی ہو، کیسے اتحادی ہو
سیکڑوں جواں لاشے، ملک بھر میں ہیں بکھرے
دشمنوں سے جنگوں میں، کھوئی تھیں نہ یوں جانیں
وحشتوں کے عادی ہو، کیسے اتحادی ہو
مانگتے مدد بھی ہو، چاہتے رسد بھی ہو
دھونس بھی جماتے ہو، حکم بھی چلاتے ہو
دھمکیوں کے عادی ہو، کیسے اتحادی ہو
چین اپنا غارت ہے، کیسی یہ شراکت ہے
دہر بھر میں رسوا بھی، طعنوں کا نشانہ بھی
تہمتوں کے عادی ہو، کیسے اتحادی ہو

اس نظم میں شاعر نے منفی سوچ رکھنے والوں پر بار بار یہ سوال اٹھایا ہے کہ اتفاق و اتحاد، نفرتوں، وحشتوں، تہمتوں، سازشوں اور جنگوں سے کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے تو اخوت و محبت، پیار و خلوص، اپنائیت و بھائی چارگی ضروری ہے تبھی چل کر معاشرہ میں حب الوطنی، یکجہتی اور رواداری کے آثار نمایاں ہوں گے اور اسی پر ملک کی سالمیت قائم ہوسکتی ہے۔

Dr.Amanulla M.B
Assistant Professor
Dept. of Arabic, Persian and Urdu,
University of Madras, Chennai - 600005
Email:amaanmb@gmail.com
Mobile:9841817272

Scanned with CamScanner

تذکرۂ اعلحضرت بریلی قدس سرہ

از: مولوی ابوالنعیم سید شاہ محمد کمال اللہ ظہوری لطیفی ایم۔اے
عرف صاحب پیر چشتی القادری جنیدی
سجادہ نشین آستانہ عارفیہ و گورنمنٹ قاضی، چتور۔اے پی

اس دنیائے رنگ و بو میں نہیں معلوم کتنے عظیم الشان شخصیات کا ورود مسعود ہوا۔ان میں کسی شخصیت کی زندگی کی خوشبو اپنے دور تک محدود رہ کر گم ہوگئی لیکن انہیں میں وہ ذات بابرکت ہے جنکے خدمات جن کی خوشبو رہتی دنیا تک لوگوں کو معطر کرتی رہے گی اور عوام و خواص ان کے خدمات جلیلہ سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔جو اپنے دور کے قاطع کفر و بدعت، علمبر دار سنیت، محافظ شریعت، پیر طریقت، کامل عامل، شاعر بے مثال، عارف باکمال، منبع علم و حکمت عاشق صادق، اعلحضرت عظیم البرکت، امام اہلسنت، مجدد دین وملت مولانا الحاج شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی، سنی، حنفی، قادری برکاتی علیہ الرحمۃ الرضوان کی نمایاں شخصیت ہے۔

آپ کی پیدائش اتر پردیش کے شہر بریلی شریف محلہ جسولی میں ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء روز دوشنبہ وقت ظہر عالم شہود سے عالم وجود میں جلوہ افروز ہوئے۔اعلحضرت کا اسم گرامی عبد المصطفی احمد رضا خان والد بزرگوار حضرت مولانا محمد نقی علی خان، آپکے دادا حضرت مولانا رضا علی خان ہیں۔آپ کے آباء و اجداد قندھار افغانستان کے رہے۔مغلیہ دور میں لاہور آئے بعد دہلی تشریف لائے۔آخر سکونت بریلی شریف کو بنالیا۔

آپ کی عمر ساڑھے تین سال ہوئی یوں تو بچپن سے ہی آپ میں اخلاق حسنہ، اتباع سنت، تقوی وطہارت کے اوصاف جمیلہ موجود تھے اسی کم سنی میں گھر کے طرف جارہے تھے کہ راستے میں دیکھا کہ کچھ طوائف گاڑی میں بیٹھی ہوئی آرہی ہیں۔جیسے ہی سامنے آئے جلدی میں اپنے کرتے کا دامن لیکر اپنے چہرہ کو چھپالیا اسوقت آپ ایک لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے طوائفین یہ دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسنے لگیں اسپر ایک نے یہ بات کہا کہ صاحبزادے اپنی آنکھوں کو تو چھپالیا ہے۔لیکن اپنا ستر کھول دیا ہے۔یہ سنکر بلا تامل برجستہ آپ نے فرمایا جب نظر بہکتی ہے تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔چھ سال عمر شریف ہوگی کہ آپ نے بغداد شریف کا رخ معلوم کر کے زندگی بھر بغداد شریف کی جانب ہرگز پاؤں نہیں پھیلائے، قبلہ رخ نہ تھوکتے نہ پیر لمبا کرتے۔پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتے، قدرت نے آپ کو بہت ذہین و مضبوط حافظہ دیا تھا اپنے اساتذہ کے تعلق سے آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے جن اساتذہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرتا تھا جب سبق مجھے پڑھا دیتے۔ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیتا۔جب سنتے تو حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ سنا دیا کرتے

روزانہ یہ میرا معمول تھا اس پروہ سخت تعجب کا اظہار کرتے ایک دن مجھ سے کہنے لگے ''احمد میاں یہ تو کہو تم آدمی ہو یا جن یا فرشتہ مجھ کو پڑھانے میں دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرنے میں دیر نہیں لگتی''۔ میزان منشعب وغیرہ

مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے، علم ہیات مولانا عبدالعلی رامپوری سے اور علم طریقت اپنے مرشد گرامی سے بقیہ تمام علوم معقولات ومنقولات اپنے والد قدس سرہ سے حاصل کئے۔ آپ کسی مدرسہ سے وابستہ نہیں ہوئے۔

تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ ایک رضاعت کا مسئلہ والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا والد صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی اس دن سے فتویٰ نویسی کی اہم ذمہ داری سونپ دی گئی۔ علمائے ربانین واولیائے کرام کے ابتدائی زندگی کے حالات کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ان نفوس قدسیہ نے علوم ظاہری دینیہ سے فراغت پا کر ایک مرشد کامل برحق کی تلاش وجستجو کر کے حلقۂ بیعت وحصول خلافت سے مشرف ہوتے ہیں۔

اسی طرح اعلحضرت اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ شرف بیعت حاصل کرنے کے لئے مارہرہ شریف کا رخ کر تے ہیں۔ درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

''اعلحضرت اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا نقی مارہرہ شریف میں حضور پرنور سید شاہ آلِ رسول احمدی رضی اللہ تعالی عنہ کے دست حق پرست پر ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت ہوئے اسی وقت مرشد برحق مولانا سید آل رسول نے آپ دونوں کو خلافت نامہ عطا فرما کر خرقہ مقدسہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا سید ابو الحسین نوری عرف میاں صاحب نے حضرت سید آل رسول سے عرض کی کہ حضور آپ کے یہاں تو طویل بامشقت مجاہدات وریاضات کے بعد خلافت واجازت دیجاتی ہے تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کو بیعت کرتے ہی خلافت بھی دے دی گئی۔ حضرت مرشد برحق نے فرمایا۔ میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ، ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دونوں حضرات صاف ستھرا پاکیزہ دل لے کر ہمارے پاس آئے۔ ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی۔ پھر مزید آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالی فرمائے گا کہ اے آلِ رسول! تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں بارگاہ الٰہی میں کون سی چیز پیش کروں گا؟ لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہوگئی کیونکہ جب اللہ تعالی پوچھے گا کہ آل رسول تو میرے لئے کیا لایا تو میں عرض کروں گا کہ الٰہی تیرے لئے ''احمد رضا'' لایا ہوں''۔

کوئی حاجی آپ سے ملاقات کی غرض سے آتے ان سے دریافت فرماتے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے دربار پر بہار میں حاضری دی ہے؟ اگر وہ کہتے کہ حاضری دی ہے۔ بہت خوش ہو کر فوراً ان کے قدم چوم لیتے۔ کیا عاشق صادق ہے۔ اللہ اللہ

اگر کوئی نہیں میں جواب دیتا تو اس کی جانب کوئی توجہ ہی نہیں دیتے۔ کیا خوب آپ نے فرمایا ہے

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

یہ شعر کوئی معمولی نہیں ہے۔ نہ ہی کسی غیر عالم جاہل کا جبکہ وقت کا مجدد کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہوا ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کے ہاں عاشقوں کا مقام ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اہل نظر ہی اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔

۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو آپ اپنے والدین کے ہمراہ پہلی مرتبہ حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے قوت حافظہ خداداد پایا تھا ملاحظہ ہو کہ کسی نے آپ کو خط میں حافظ القابات کے ساتھ لکھ دیا۔ یہ پڑھ کر آپ نے محسوس کیا کہ میں تو حافظ قرآن نہیں ہوں۔ اس کا مجھ پر کتنا حسن ظن ہے اتفاق کہ ۲۹ شعبان کو عریضہ ملا تھا دوسرے دن سے ہی قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا، رمضان مبارک شروع ہو گئے۔ دن میں پارہ حفظ کرتے تراویح میں سنا دیا کرتے۔ اسی طرح ستائیسویں رمضان تک مکمل قرآن مجید سنا دئے یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ آپ کی خداداد اصلاحیت رہی ہے۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوبارہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۶ء کو آپ نے حج کی سعادت حاصل کی۔ آپ کی علمی شخصیت سے بہت سے ذی علم متاثر ہوئے اور اکتساب فیض کیا۔

قیام مدینہ مورد ۱۳۱ اکتیسی ان کے اوران اعلحضرت کے خدمت بابرکت میں مسئلہ علم غیب جواب چاہے۔ جبکہ کے واپسی کے دن قریب رہے۔ علمائے کرام کی آمد اور ان سے ملاقات و گفتگو اسطرح وقت تنگ رہ گیا تھا آپ کے کرامات میں ایک کرامت ہے کہ بخار میں ساڑھے آٹھ گھنٹے میں مدلل دولت مکیہ کے نام سے رسالہ مرتب فرما دیا۔ کسی کتاب سے مدد حاصل کئے بغیر خدا کی دی ہوئے علمی صلاحیت سے جو منکرین علم غیب رسول ﷺ ہیں ان کے لئے دندان شکن جواب رہا۔

اور روضۂ پاک ﷺ کی حاضری ہوئی کثرت درود شریف کے سوغات پیش کرتے رہے دل میں یقین کامل کہ آقا دیدار سے محروم نہیں کریں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کب گوارا کہ اپنا سچا عاشق در پر آئے اور محروم جائے آخر وہ وقت مسعود آیا کہ دل کی کلی کھل گئی کہ آپ حالت بیداری میں سر کی آنکھوں سے اپنا محبوب کیا کائنات کے محبوب خود رب ذوالجلال کے محبوب سردار انبیا ﷺ کے دیدار سے شادماں ہوئے۔ آپ نے کیا خوب ارشاد فرمایا۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

حرمین شریفین کے علمائے دین و مفتیان متین کی استدعا پر آپ نے انہیں سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائے۔ ہندوستان تشریف لائے۔ اعلحضرت کا معیار زندگی مطابق حدیث شریف ان **احب الاعمال الی اللہ تعالی الحب فی اللہ و البغض فی اللہ** پر رہا ہے۔

Scanned with CamScanner

بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پیارا کام یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے کسی سے دوستی ومحبت ہو اور اللہ ہی کے لئے کسی سے دشمنی وعداوت ہو۔اس کے مصداق وہی نیک ومحبوب اللہ کے مخلص بندے کہلائیں گے جو صحیح العقیدہ اسلام پر کاربند ہوں۔وہی علمائے حق اور وارثین نبی اکرم ﷺ کہلانے کے حقدار و مستحق ہیں۔اسی کے برعکس نام نہاد بدعقیدہ علمائے سو(باطل علماء) سے اپنا دامن بچانا ضروری ہے۔

ایمان وعقیدہ بالکل ضروری ہے یہ ایک عظیم فتنہ ہے کہ جس کو عوام الناس نہیں جانتے جو اہل علم ہیں وہ بھی کم سمجھتے ہیں۔نام اہلسنت والجماعت کا کام وہابیت کا ہو رہا ہے۔پرچار غیر مقلدیت کا چل رہا ہے۔خود کو مذہب حنفیت کا نام دے رہے ہیں افسوس صد افسوس کہ بات قرآن وحدیث کی کر رہے ہیں۔قربان جاؤ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پر خدا آپکے درجات اور بلند فرمائے آمین۔

آپ نے قرآن واحادیث واجماع ان تمام کا لب لباب مسائل شرعیہ کی صورت میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اپنے کو حنفی کہلانے والے قرآن وحدیث کی بات اٹھاتے ہو جبکہ قرآن کے ''ق'' اور حدیث کے ''ح'' سے واقف نہیں کیا اہل قرآن یا اہلحدیث ہیں؟ جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔درحقیقت حنفی نما وہابی ہیں۔جو بھولے بھالے سنیوں کو اپنے دام فریب میں پھنساتے ہیں۔ان کے مکر وفریب کو پہچانو۔ایمان وعقیدت بالکل ضروری ہے۔اسلاف کے حالات زندگی پر غور کرو اسی پر اعمال صالحہ نماز روزہ زکوۃ حج تلاوت قرآن اوراد ووظائف وغیرہ کی بنیاد ہے۔خود کو صالحین کی جماعت سے وابستہ کرلو ادھر خدا کو بھی راضی کریں ادھر شیطان کو بھی خوش رکھیں یہ دو گھوڑوں کی سواری ہے جو منزل کو نہیں پہنچو گے۔ع با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام۔بقول شاعر

دورنگی چھوڑدے اک رنگ ہوجا　　　سراسر موم ہوجا یا سنگ ہوجا

یہ بہت دل گردے کی بات ہے۔کہنا آسان ہے۔اس پر عمل جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔اعلحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ساری زندگی آپ نے غیر مقلد وہابیوں کے دام فریب سے بچنے کی ہدایت کئے ہیں۔حق کو حق اور باطل کو باطل کہا ہے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا ہے۔

ایک فرقہ قرآن کا ترجمہ غلط شرعی مسائل جس کا حوالہ نہ ثبوت۔توہین رسول مقبول علیہ آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں،اولیائے کرام کے متعلق بے ادبی یہ تمام ایک مستقل عنوان ہے یہ علیحدہ موضوع ہے۔

اعلحضرت کا احسان عظیم ہے کہ ایمان جیسی انمول ولازوال دولت کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

اگر اس دنیا میں جینا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر　　　لباس خضر میں یاں رہزن بھی رہتے ہیں

اعلحضرت کی زندگی کے آخری ایام رہے،حاضرین کو ہمدردانہ طور پر نصیحت میں اکثر اوقات فرماتے کہ جس کا

Scanned with CamScanner

ایمان پر خاتمہ ہوگیا اس نے سب کچھ پالیا، گویا کہ وہ بامراد ہوگیا، فرماتے اگر وہ بخش دے تو اس کا فضل ہے نہ نخشے تو اس کا عدل ہے۔ اپنے ایمان و دین کی حفاظت کی سخت تاکید کرتے۔

آپ نے فرمایا کہ ذات رسول ﷺ اللہ جل جلالہ کے نور ہیں، آپ کے نور سے صحابہ روشن ہوئے، صحابہ اکرام سے تابعین روشن ہوئے، تابعین کی روشنی سے تبع تابعین روشن ہوئے، اسی روشنی سے ائمہ و مجتہدین روشن ہوئے، ان سے ہم روشن ہوئے۔ یہ نور ہم سے لو تم بھی روشن ہوجاؤ۔ آپ ہی نے فرمایا ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

آپکی شاعری کا مجموعہ ''حدائق بخشش'' ہے آپکے کلام کو امام الکلام کہا جاتا ہے، آپکی لکھی گئی نعت شریف کے اشعار اور سلام ''مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' یہ شرق سے غرق تک مشہور ہے۔ فتاویٰ رضویہ جسکے بارہ جلدیں ہیں، جو مسائل کا انمول خزانہ ہے۔ آپ کے تصانیف بھی کثرت سے ہیں۔ آخر وہ گھڑی آگئی جو سب کے لئے آتی ہے۔ دوست و احباب جمع ہوگئے سورۂ یٰسٓ و سورۂ رعد تلاوت کرنے کو کہا تو تلاوت شروع کردئے۔

زبان پر کلمہ طیبہ **لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ** جاری ہوا تاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ وقت نماز جمعہ جان کو جان آفرین کے سپرد فرمادیا **انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔**

ملک شام کے خدا رسیدہ بزرگ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو خواب میں زیارت خیر الانام ﷺ سے مشرف ہوئے، دیکھا کہ ایک نورانی محفل ہے آپ و صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم حاضر ہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کو کسی شخصیت کا انتظار ہے، یہ بزرگ دربار رسول ﷺ میں عرض کرتے ہیں فداک ابی و امی حضور کس کا انتظار ہے۔ ارشاد ہوا احمد رضا کا انتظار ہے۔ یہ احمد رضا کون ہیں؟ جواب میں ارشاد ہوتا ہے ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد حقیقت حال معلوم کرکے ہندوستان میں ایک عظیم المرتبت عام دین ہیں جو بقید حیات ہیں، شوق ملاقات کو ہندوستان کا سفر کئے بریلی پہنچے آخر کف افسوس ملنا پڑا کہ وہ ۲۵ صفر کو ہی دار فانی سے چل بسے ہیں۔

راقم ۱۹۷۳ء سفر اجمیر شریف کی واپسی پر مدھیہ پردیش کے شہر اندور کے جامع مسجد میں جمعہ گزارنا ہوا وہاں پر اعلحضرت کے فرزند حضور مفتی اعظم ہند سے مصافحہ کا شرف ملا بہت نحیف تھے۔

قارئین کرام فقیر اس مضمون کو کماحقہ زیر قلم نہ لا سکا معذرت خواہ ہے، امید ہے کہ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

☆☆☆☆☆

عورتوں کے حقوق اور مذہب اسلام

از: الحاج منصور علی خان قادری
ایڈیٹر ہفت روزہ "تسخیر انسانیت"، بنگلور
موبائل 9845658861

مذہب اسلام سے وابستگی کی بنیاد پر مسلمان بنتے ہیں اوران کی ایک مخصوص تہذیب ہے۔ مسلمانوں کے تہذیب وتمدن میں وہ تمام باتیں داخل ہیں جونسلہانسل سے مذہب کے واسطے وراثت میں آئی ہیں اوران میں نکاح، طلاق، خاندان اورافراد خاندان کے حقوق اور ترکہ ووراثت کے معاملات شامل ہیں۔ نکاح، طلاق، خلع، نفقہ، مہر، ولایت، وصیت، وراثت، تبنیت وغیرہ کے معاملات میں شریعت کے احکام مسلم پرسنل لاء کہلاتے ہیں اور یہ دین اسلام کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ کیونکہ ان احکامات کی بنیاد قرآن کریم، احادیث اور فقہ اسلامی کے مختلف مکاتیب پر ہے۔ فقہی اختلاف فروعی معاملات ہے بنیادی اصولوں میں سب متفق ہیں۔ مسلمان اپنے پرسنل لاء کو اپنے مذہب کا اٹوٹ حصہ سمجھتے ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان کی سرزمین پر صدیوں سے انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہ زندگی بسر کرتے آرہے ہیں، اور آج بھی یہاں ایسی مختلف ذاتیں اور جماعتیں اور قبائل زندگی بسر کر رہے ہیں، جن کے مذاہب، عقائد، مراسم، اعمال، افکار، زبانیں، تہذیبیں، ثقافتیں اور عادتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور یہ بھی ہندوستان کی معلوم ومدون تاریخ کا ایک تابناک اور روشن باب ہے کہ ہندوستان کی زمین کبھی مذاہب اور عقائد کی معرکہ آرائیوں سے خون آلود نہیں ہوئی کیونکہ اس ملک کے حکمرانوں نے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو کبھی اسلامیت اور ہندومت کے حوالے سے جنگ وجدال کا بازار گرم نہیں کیا۔ حالانکہ مسلمان مذہب وملت کے اعتبار سے بنیادی طور پر متحد اور ہم مذہب ہیں اور اسی طرح ہندو بھی عقیدہ اور مذہب کے اعتبار سے بنیادی طور پر ایک ہی ہیں۔

دورِ جاہلیت میں عورت کسی چیز کی مالک اور مختار نہیں ہوسکتی تھی اور اسے وراثت میں بھی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ باپ کی ساری متروکہ جائیداد کی وارث صرف نرینہ اولاد ہوتی تھی۔ عورت ترکہ اور وراثت میں مال واسباب کا پانا تو کجا وہ خود ہی مال وراثت بن چکی تھی۔ چنانچہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کر جاتا تو شوہر کے ورثاء مال واسباب اور جائیداد کے ساتھ ساتھ اس عورت کے بھی حقدار بن جاتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہے تو اس عورت سے شادی کر لیتا یا کسی کے ساتھ شادی کرادیتا یا گھر والے اپنے ہی پاس اس عورت کو محبوس اور مقید رکھ لیتے تھے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے عورت کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا۔ (ترجمہ) تمہارے لئے یہ بات زیبا نہیں دیتی کہ تم عورتوں کی جان اور مال کے زبردستی مالک بنے رہو۔

اسلام نے عورتوں کے حقوق کا جتنا احترام کیا ہے، دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کیا۔ اور پیغمبر اسلام نے عورت کی جیسی حمایت کی ہے دنیا کے کسی ریفامر نے نہیں کی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا میں عورت کی ذلت حد سے گزر چکی تھی۔ یونان میں کمزور اور بدصورت لڑکیاں مار ڈالی جاتی تھیں۔ اور یونان کے بعض صوبوں میں لوگ اپنی بیویوں کو عارضی طور پر قرضے میں

Scanned with CamScanner

دے دیا کرتے تھے۔اور قرضہ ادا ہونے کے بعد واپس لیتے تھے۔انگلستان میں بھی عورت کی حیثیت نہایت ذلیل تھی۔عورتوں کو نوکروں کے زمرے میں داخل کیا جاتا تھا۔اس کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنے شوہر اور اپنے سرپرست اور پادری کی غلامی کرے۔

آج بھی یورپ میں عورت کو جو آزادی حاصل ہے وہ کسی مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یورپ نے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ایسا کیا ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کا بہت احترام کرتے تھے۔میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے حقوق قریب قریب برابر رکھے گئے ہیں۔اسلام کا حکم ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرو۔اور مال پر قبضہ کرنے کی غرض سے شادی نہ کرو، ان کو تکلیف نہ دو، اور ان کے عزیز و اقرباء کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔اور ان کی تعلیم میں سعی و کوشش کرو۔

مجھے معلوم ہے کہ عیسائی مذہب کے قانون کی وجہ سے کوئی عورت عیسائی مذہب کی عالمہ نہیں کہلائی جاسکتی۔زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ گرجا کی خادمہ بن سکتی ہے اور نوکروں کی طرح اپنی زندگی وقف کرسکتی ہے۔برخلاف اس کے اسلام میں تحصیل علم عورت اور مرد دونوں کے لئے یکساں ضروری ہے۔فضل و ہنر اور تعلیم و تربیت کا دروازہ ہر ایک کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے۔اسلام نے ہر طرح زندگی کے ہر شعبے میں عورت کے حقوق کا لحاظ رکھا ہے اور اس کو غلامی کی سطح سے بلند کر کے فضیلت کے پہلو بہ پہلو کھڑا کیا ہے۔الغرض نبی کریمؐ نے عورت کو حقوق میں مردوں کے دوش بدوش کھڑا کردیا ہے۔یہ وہ الطاف و عنایات محمدیؐ ہیں جن کو عورت صبح قیامت تک فراموش نہیں کرسکتی۔شرعی قانون پر عمل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو اسلام سے خارج کردینے کا حکم ہے۔

موجودہ دور میں مسلمانان ہند کے لئے جہاں مختلف اور متعدد مسائل اور مشکلات کھڑی ہوگئی ہیں ان میں سے ایک آئین کی اختلافی دفعہ ۴۴ ہے۔جس کی وجہ سے برسر اقتدار بعض لوگوں، بعض مخالف اسلام جماعتوں اور شریعت مطہرہ سے ناآشنا اور مغرب زدہ نادان مسلمانوں کی طرف سے بعض شرعی امور و احکام میں تبدیلی و ترمیم اور تنسیخ کی باتیں ہورہی ہیں، چنانچہ ایک نئی صورت حال ان دنوں میں جو سامنے آئی ہے وہ یہ کہ ایک دختر ملت نے تین طلاق اور تعداد ازواج (ایک وقت میں چار عورتوں تک نکاح میں رکھنا) کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ پٹیشن داخل کر کے تین طلاق اور تعداد ازواج کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ختم کرنے کی درخواست دی ہے۔اس مقدمے کی وجہ سے پورے ملک میں مسلم پرسنل لاء اور اسلام میں عورتوں کے حقوق سے متعلق سرکاری و نیم سرکاری اور مسلم و غیر مسلم افراد اور جماعتوں کی جانب سے مباحثوں، مناظروں اور مجادلوں کا ایک بازار گرم ہے۔اور مسلمانوں کے خلاف ایک گھناؤنی سازش رچائی جارہی ہے۔

پچھلے دنوں اسی طرح ایک ٹی وی چینل ذی نیوز پر ''ڈبیٹ'' رکھا گیا۔جسمیں دو مسلم خواتین اور ایک مولانا کو بٹھا کر تین طلاق اور حلالہ کے متعلق بحث کی گئی۔اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اسلام عورتوں پر ظلم کررہا ہے۔اس بات پر مولانا اور عورتوں میں لمبی چوڑی بحث ہوگئی اور معاملہ ہاتھا پائی تک چلا گیا۔سب سے پہلے عورت نے مولانا کے منہ پر ایک طمانچہ رسید دیا اور جواب میں مولانا نے بھی عورت پر دو چار طمانچے رسید دئے۔اور اس کے بعد پولیس نے مولانا کو عورت پر ہاتھ اُٹھانے کے جرم میں گرفتار کرلیا۔یہ تمام حالات اور واقعہ کو ذی نیوز چینل نے براہ راست نشر کیا۔

سچائی تو یہ ہے کہ ملک کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کے بجائے حکومت کسی نہ کسی طریقے سے عوام میں گھٹتی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ملک کے اندر ایسا کچھ کرنا چاہتی ہے جس سے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو۔اس طرح کی کاروائی پر روک لگنی چاہئے۔

Scanned with CamScanner

صحرا نشین مسلم خواتین

از: رافعہ سعادت یم اے (علیگ)
نمبر 15،627 واں مین، 24 واں کراس
بنشنکری سکینڈ اسٹیج، بنگلور ۰۷
موبائل 9845462748

حق گوئی، بے باکی، راست بازی اور عدل وانصاف۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جو اسلامی جوہر بن کر دنیا میں چمکیں، اور کتنی ہی جلیل القدر شخصیتوں، مقتدر ومقدس ہستیوں کا نمایاں وصف، امتیازی شان اور شعار زندگی بن گئیں۔ اسلامی تاریخ کے اوراق ان اوصاف حسنہ کی معتدد مثالوں کا ایک زرین باب اور سنہرا دور بنے ہوئے ہیں جس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں، دونوں نے زندگی کے ہر موڑ پر اپنے ایمان افروز جذبات سے حق وصداقت کی شمع جلائی اور اس روشنی میں بڑی بے باکی سے آگے بڑھتے رہگو کی اُن کے لئے ہمیشہ یہ راہیں خانہ زار رہیں۔ مگر کفن بردوش سرفروشوں نے جادۂ حق کو ہمیشہ پھولوں کی سیج سمجھا۔ اور آبلہ پائی کی کبھی پرواہ نہ کی، یہ ثابت قدمی ان کے ایمان کی پائیداری کی علامت تھی۔

قابل غور بات تو یہ ہے کہ قدرت نے خود مساوات کا پہلا درس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں دیا۔ چونکہ اہل عرب میں عرب وعجم کے شدید اختلافات پائے جاتے تھے۔ وہ اپنی صحیح البیانی اور زباندانی پر نازاں دیگر اقوام کو اپنے مقابلے میں عجمی ماضی گونگا سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس قوم کے غرور کو خاک میں ملانے کے لئے قدرتِ خداوندی نے آپ کی ذاتِ اقدس کو تکمیل انسانیت کا باعث بنا کر اس بے آب وگیاہ زمین کو اس کا مرکز بنایا جہاں تہذیب دم توڑ رہی تھی، تمدن سسک رہا تھا اور انسانیت کی دھجیاں بکھر رہی تھیں۔ ظلمت کے اس اندھیرے میں رسولؐ عربی کا وجود نور کا ایک ایسا ہالہ بن کر نمودار ہوا جس سے نہ صرف سارا عرب منوفشاں ہو گیا بلکہ ساری دنیا اس دائرہ میں کھینچ کر آ گئی۔ منشائے یزدی نے اس اعرابی سے تعمیر انسانیت اور فلاح آخرت کا وہ کام لیا کہ من ویزداں کی قوتیں آفاقی وغیر آفاقی اس کے مبارک ومقدس قدموں میں آ گریں۔ لہذا آپ کی مجسم سیرت نبوت سے بیشتر ہی اپنی قوم کے لئے اسوۂ حسنہ بن کر صادق، امین جیسے خطابات سے سرفراز ہو گئی، گویا شانِ کریمی کی کرشمہ سازی نے پوری قوم کو ایک اَن پڑھ اُمی جو عربی کم عجمی زیادہ تھا جلو میں کر دیا۔ اور آپ کی زبانِ مبارک میں وہ تاثیر پیدا کی کہ اہل عرب از خود عرب و عجم کے اُس فرق کو بھول کر دنیا میں اخوت وبھائی چارگی کی زندہ مثال بن گئے۔

جادۂ حق پر مجاہدانہ شان سے گامزن ہونے والوں میں سے صحرا نشین خواتین بھی پیچھے نہ رہیں۔ تاریخ کے صفحات روزِ روشن کی طرح ان کے لازوال کارناموں سے معمور ہیں۔ ہم اپنے مشاہدے کو ذرا وسیع کر دیں تو ہمیں اس آئینے میں عورتیں کبھی میدانِ کارزار میں تیمارداری کے فرائض انجام دیتی ہوئی، بے جگری سے دشمن کا صفایا کرتی ہوئی، اشاعت حق کی خاطر اپنی جان قربان کرتی ہوئی اور کبھی

اپنی تمام دولت اسلام کی خاطر نچھاور کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔کون بھلا سکتا ہے اُس ہستی کو جو سب سے پہلے اسلام کی حلقہ بگوش ہوئیں اور جس نے رسولؐ اکرمؐ کی رفاقت کا حق ادا کرنے کے علاوہ دین کی خاطر اپنی تمام تر دولت نچھاور کر دی۔اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا جذبۂ ایثار ہر عورت کے لئے ایک مثالی نمونہ ہے۔اُم المساکین حضرت زینبؓ جو رباغت میں ماہر تھیں اپنی تمام تر اُجرت مسکینوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں،اسی بناء پر اُم المساکین کہلائیں۔حضرت عائشہ صدیقہؓ جن کی عفت وعصمت کی گواہی خود قرآن نے دی ہے۔دین کی اشاعت و تبلیغ میں آپ کا جو حصہ رہا ہے شاید کسی کا رہا ہو۔اور آپ سے (۲۲۱۰) احادیث بھی مروی ہیں۔حضرت سُمیہؓ اسلام کی پہلی شہیدہ جو کفارِ مکہ کی حیوانیت اور بربریت کی بھینٹ چڑھ گئیں۔حضرت فاطمہؓ رسولؐ خدا کی محبوب اور عزیز ترین بیٹی آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا مکمل عکس بن کر خاتون جنت بن گئیں دنیا کی تمام عورتوں پر آپ کو فوقیت و برتری حاصل ہے۔آپ پہلی خاتون ہوں گی جو جنت میں داخل ہونگی۔عالم اسلام ایک اور فاطمہؓ کے قابل فخر کارنامے کو فراموش نہیں کر سکتا جو فاروق اعظم حضرت عمرؓ کا سر دہلیز نبوت پر جھکا دیا۔تاریخ کے اوراق اگر اسی طرح الٹتے جائیں تو ہماری بصیرت افروز نگاہیں ایسی کتنی ہی فاطماؤں کو ڈھونڈ نکالیں گی جنہوں نے دنیائے اسلام کو انتہائی برگزیدہ شخصیتوں سے نوازا جن کے کارنامے تا قیامت زندۂ جاوید بنے رہیں گے۔

اسلامی تاریخ سے آراستہ ہو کر اتباع سنت نبویؐ کو اپنا نصب العین بنا کر اخلاقی بلندیوں کو چھو کے عورتوں نے راہِ حق میں انتہائی دلیری اور بے باکی کے مظاہرے بھی کئے ہیں۔قرون اولیٰ کی عورتیں نہ صرف جنگوں میں خطبے ارشاد فرماتیں جو شیلے اشعار پڑھا کرتیں اور حق کی حمایت پر ابھارنے کے لئے اپنی زبان کی تمام بلاغت اور فصاحت استعمال کیا کرتیں تھیں بلکہ اظہار حق میں بے خوف بھی ہوا کرتیں تھیں۔جنگ صفین میں بہت سی عورتیں بنی ہاشم کی طرفدار بن کر حق کی بے حجابانہ حمایت پر اتر آئیں۔اور میدانِ جنگ میں حضرت امیر معاویہ کے خلاف اشعار پڑھ کے خطبے ارشاد فرما کر مسلمانوں کی شرم وغیرت کو للکارتی رہیں اور انہیں حق کا ساتھ دینے پر اکساتی رہیں۔جنگ کے خاتمہ پر جب امیر معاویہ سے باز پرس کی نوبت آئی تو امیر کا جاہ وجلال بھی انہیں اظہارِ حق سے باز نہ رکھ سکا۔امیر نے ایسی ہی ایک عورت وارسیہ مجونیہ کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا تو کس لئے علیؑ سے محبت اور مجھ سے بغض رکھتی تھی؟۔اس نے کہا ''تو مجھے معاف کریگا؟'' امیر نے کہا ''نہیں''۔اس نے کہا اگر تو نے معافی سے انکار کیا ہے تو سن ،میں علیؑ کو اسلئے دوست رکھتی تھی کہ رعیت کے ساتھ انصاف کرتا تھا سب کے حقوق ادا کرتا تھا،مسکینوں سے محبت رکھتا تھا۔اور دینداروں کی تعظیم کرتا تھا اور تجھ سے اسلئے بغض رکھتی تھی کہ تو اپنے سے افضل کے ساتھ لڑا۔اور جس کا تو مستحق نہ تھا اس حق کا طالب ہوا۔تو نے خونریزی کرائی فیصلوں میں ناانصافی کی اور اپنی نفس کی خواہش کے مطابق حکومت کی، یہ سن کر امیر نے کہا ''نیک بخت،تو نے علیؑ کو دیکھا بھی ہے؟۔کہا کیوں نہیں،امیر نے کہا تو نے اسکو کیسا پایا؟،واللہ اس کو حکومت نے تیری طرح فتنے میں نہیں ڈالا اور دولت نے تیری طرح اسکو غافل نہیں کیا''۔امیر نے پوچھا،تو نے اسکا کلام بھی سنا ہے؟۔کہا،کیوں نہیں اسکا کلام تاریک دلوں کو اسطرح جلا بخشتا ہے جیسے کہ تیل برتن کا رنگ چھڑا دیتا ہے۔امیر نے کہا بیشک تو سچ کہتی ہے۔اگر تجھ کو کوئی حاجت ہو تو بیان کر۔اس نے کہا تو اسے پورا کرے گا۔امیر نے کہا،ضرور،اس نے کہا مجھ کو سو اونٹنیاں سرخ رنگ کی دیجئے کے ساتھ سارابان بھی ہو۔امیر نے کہا اگر میں یہ اونٹنیاں تجھ کو دوں تو بھی میری جگہ تیرے دل میں علیؑ کے برابر ہوگی یا نہیں؟۔ادارسیہ نے کہا ''سبحان اللہ

کیا اسکے سوا دوسرے شخص کی جگہ'' امیر نے جواب میں کہا اگر میں تیرے ساتھ فراغدلی سے پیش نہ آؤں اور پھر میرے بعد کون ہے جس سے امید کی جائے ، اس نے کہا یہ اونٹنیاں تجھ کو مبارک ہوں اور یاد رکھ اس شخص کو جس نے تیرے ساتھ عداوت کی لڑائی کا معاوضہ صلح کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے بعد امیر نے کہا ، واللہ اگر علیؓ زندہ ہوتا تو ان میں سے ایک اونٹنی بھی تجھ کو نہ دیتا ، وہ فوراً بولی ، واللہ اونٹنی تو اونٹنی وہ ایک بلی کا بچہ بھی مسلمانوں کے مال میں سے دینے والا نہ تھا۔

جب عراق کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف فوج کشی کی اور حضرت عبداللہ کو بچ نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئی تو آپ نے اپنی والدہ حضرت اسماء سے کہا ، میں حجاج سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماء کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور کڑک کر فرمانے لگیں ، یاد رکھو عبداللہ عزت کی حفاظت میں تلوار چلانا ، ذلت میں کوڑے کھانے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اپنی والدہ کی اولوالعزمی کا یہ اثر ہوا کہ آپ آخر دم تک لڑتے رہے اور سولی پر چڑھ گئے۔ آپؓ کے پھانسی پر لٹکا دئے جانے کے بعد حجاج نے ایک آدمی کو بھیجا کہ جاؤ عبداللہ کی والدہ کو بلا لاؤ۔ آپ نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حجاج خود آیا اور کہنے لگا ، دیکھا تم نے میں نے تمہارے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسماء نے کہا یہ بھی دیکھا کہ میرے بیٹے نے تمہاری کیا حالت بنائی ہے۔ حجاج نے حیران ہو کر پوچھا وہ کیسے؟۔ اسماء نے فرمایا تم نے اسکی دنیا خراب کی اور اس نے تمہاری آخرت تباہ کر دی۔ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا تھا کہ ثقیف میں ایک سیاہ کار ظالم و جابر پیدا ہوگا ، اور وہ یقیناً تو ہے۔ حجاج اٹھ کر چل دیا ، بعد میں حجرت اسماء بھی آئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت عبداللہ کی نعش صلیب کے ساتھ لٹک رہی ہے ، آپ نے یہ منظر دیکھا تو نہ آنسو بہائے نہ آہ وفغاں کی بلکہ حجاج کو مخاطب کر کے نہایت بے اعتنائی سے فرمانے لگیں۔ کیا اس سوار کے اترنے کا وقت بھی نہیں آیا اور کہا میرے شاہ سوار کے پیر تیرے سر سے اونچے ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ آنحضور صلعم کا سب سے بڑا فیض وکرم تھا اور انسانیت کا احسان عظیم جس نے عورت کو پستی سے اٹھا کر بلندی پر پہنچا دیا اور دین ودنیا کی سعادتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع عطا فرمایا ورنہ یہ وہ مظلوم ہستی تھی جو بھیڑ بکریوں کے مانند سر بازار نیلام کی جاتی تھی نحوست کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ وقت بے وقت ہوس وبہمیت کا شکار ہو جایا کرتی۔ درندگی کی انتہا تو یہ تھی کہ زندہ دفن کر دی جاتی تھی۔ آپؐ دنیا کے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مساوات کے علمبردار بن کر مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کے دوش بدوش لا کر کھڑا کیا۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندہ یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لئے وہ دوزخ کے بچاؤ کا سامان بن جائیگی (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

موجودہ حالات کا یہی تقاضہ ہے کہ میں اسلامی تاریخ کے ان زرین واقعات سے درس عبرات حاصل کرنے کے علاوہ آپؐ کے بتائے ہوئے راستے پر عمل پیرا ہو کر زندگی کے ہر شعبہ میں ان صحابیات کی زندگی کو مشعلِ ہدایت بنانا چاہئے تا کہ علم وعمل کا وہ سبق جو قرآن اور سنت نبویؐ کی صورت میں ہم پر نازل ہوا کبھی بھولنے نہ پائیں۔

Scanned with CamScanner

تذکرۂ نبویؐ کی برکتیں

از: مولوی سید ابراہیم قادری باقوی

نرسمہا راجپور

بسم اللہ والحمد للہ والصلوۃ و سلام علیٰ رسول اللہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب فخرِ کائنات حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم سے ممتاز کیا ہے۔ آپ کی ذات و صفات کو دافع بلا اور وباء و امراض قرار دیا ہے۔ جیسا کہ درود تاج کے مشہور کلمات ہیں دافع البلاءِ والوباءِ سے ظاہر ہے یہاں تک کہ بزرگوں نے آپ کے تذکرہ کو بھی دافع بلیات قرار دیا ہے۔ جہاں آپ کا ذکر و تذکرہ ہوتا ہے اور جہاں آپ کی سیرت طیبہ بیان کی جاتی ہو ان تمام جگہوں سے بلیات و وبیات کا دفع ہونا محقق ہے۔ مشتے از خروارے ایک حقیقت کا تذکرہ مناسب ہے۔ جیسا کہ مشہور و محقق عالم مولانا تھانوی نے (اپنی ایک تصنیف جو سیرت طیبہ پر مشتمل ہے) کے مقدمے میں لکھا ہے کہ ''ایک مرتبہ مجھ سے میرے خاندان کی خواتین نے درخواست کی کہ سیرت طیبہ پر ایک چھوٹی اور جامع کتاب رقم کی جائے تا کہ ہر گھر میں اسے پڑھ کر عورتیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ سے آشنا ہوں۔ خواتین کی اس خواہش پر میں نے ایک کتاب (نشر الطیب) تصنیف کرنے کی ٹھان لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سارا شمالی ہندوستان وباؤں کے زد میں آ گیا تھا۔ قئے دست کا مرض پھیلا ہوا تھا۔ کیا ہندو کیا مسلمان سب اس موذی مرض کا شکار تھے روزانہ پانچوں نمازوں میں دو دو چار چار جنازے حاضر کئے جا رہے تھے۔ ادھر میں نے تحریر کتاب کا آغاز کیا ابھی چند باب ہی تحریر کئے تھے کہ اچانک علاقہ میں عجیب تبدیلی محسوس کی جانے لگی۔ لوگ اس موذی مرض میں کمی محسوس کرنے لگے اور جنازوں کی آمد کا سلسلہ بھی گھٹنے لگا۔ میں نے آزمانے کی نیت سے امتحاناً کتاب کی تحریر کو موقوف کیا۔ ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے پھر دوبارہ سارا علاقہ اس موذی کے زد میں آ گیا۔ آہستہ آہستہ اموات کا سلسلہ بھی بڑھنے لگا۔ میں پھر سے تحریر کتاب کے سلسلہ کو شروع کیا، جوں ہی تذکرۃ النبیؐ کا مبارک سلسلہ شروع ہوا ندکورہ وبا سے نجات بھی ملنے لگی۔ لوگ امن کی سانس لینے لگے، کتاب مکمل ہونے تک سارا علاقہ وباء کی زد سے مکمل صاف ہو گیا''۔

یہ برکت تھی آقائے دو جہاں رسول پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک تذکرہ کی۔ اسطرح تذکرہ نبوی سے برکت حاصل کرنے اور بلیات و وبیات سے نجات پانے کے معتدد لغات اکابر محقق علماء لکھے ہیں۔ اور دورِ رسالت کے ماقبل بھی

مابعد بھی اس قسم کے لا تعداد واقعات مورخین نے لکھے ہیں۔خود حضرت علامہ عبدالحی واعظ بنگلوری علیہ الرحمۃ نے مشہور زمانہ کتاب جنان السیر کے مقدمے میں اسطرح کے واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے۔''دورِ نبوی کے بعد دورِ صحابہؓ کا دور تابعین وتبع تابعین کا دور محدثین وائمہ مجتہدین تمام اکابر ہستیوں کا تذکرہ نبویؐ سے برکتیں حاصل کرنا معمول رہا ہے''۔

افسوس نہ صرف ہمارا ملک بلکہ سارا عالم پریشانیوں کا شکار ہے۔مہلک بیماریوں کے منحوس سائے سارے عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔خاص کر ملت اسلامیہ تو کچھ زیادہ ہی پریشان اور پر امنی کا شکار ہے۔ایسے نازک ماحول میں ہم سب مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ مرد وزن خرد وکلاں سب کے سب غفلت سے باز آکر توبہ کریں۔نماز کی پابندی کریں۔تلاوت کلام پاک کے ساتھ ساتھ حسب استطاعت صدقات وخیرات کا اہتمام کریں۔کثرت سے درود شریف پڑھا کریں۔ہر ہر گاؤں،شہر اور قریوں میں مجلس منعقد کر کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سننے سنانے کے سلسلہ کو عام کریں۔انشاء اللہ بہت جلد پریشانیوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔امن کی فضا قائم ہوگی۔وبیات،بلیات،مہلک امراض جو پھیلے ہوئے ہیں ان سب سے چھٹکارا ملیگا۔

خدائے پاک کل ملت اسلامیہ کو توفیق بخشے۔آمین

یہ ہے دربار آقا کا یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

چشتی چمن خواجہ معین الدین حسنؒ

از: کے سید احمد
سابق لکچرار جغرافیہ، دیانندا کالج بنگلور
موبائل: 8892606937

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید — حقا کہ بناء لا الہ است حسینؑ

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ نجیف الطرفین سید ہیں۔آپ کی ولادت با سعادت 18/اپریل 1143ء مطابق ۵۳۷ھ کو بمقام سنجر میں ہوئی اور پرورش خراسان میں ہوئی، آپ کا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے سید الشہداء سیدنا امام حسینؓ سے جاملتا ہے اور والد کی طرف سے حسینی اور والدہ کی طرف سے حسنی ہیں۔

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری کو سرورِ دین و دنیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان مبارک میں نمایاں حیثیت حاصل ہے، آپ بشائستۂ روحِ رسول ﷺ ہیں نازشِ اولادِ بتول ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جان ہیں، حضرات امام حسنین رضی اللہ عنہ کے دل کا ارمان ہیں حضرت غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی آنکھوں کے تارے، گلشنِ اسلام کے پھول، نجیب الطرفین سید ہیں۔آپ کے والد محترم حضرت خواجہ غیاث الدین سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور والدہ محترمہ بی بی اُم الدوع المعرف بی بی مہ نور حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی ولادتِ مبارک ایک ہندوستان کے لئے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے باعثِ رحمت ہے۔آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ معین الدین میرے شکم میں تھے، میں بہترین خواب دیکھتی تھی، گھر میں ہر طرف خیر و برکت تھی، دشمن بھی دوست ہوگئے، جس وقت خدا تعالیٰ نے آپ کے جسم مبارک میں روح ڈالی تو آپ کی والدہ محترمہ محسوس کرتی تھیں کہ نصف شب سے سوا پہر دن چڑھے تک اُن کے شکم مبارک سے تسبیح و تہلیل کی آواز رہتی تھیں۔یہ آواز سن کر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، پیدائش کے وقت آپ کی والدہ کا بیان ہے کہ سارا گھر انوارِ الٰہی سے روشن ہوگیا تھا، آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں جب کوئی عورت مع اپنے شیر خوار بچہ کے آپ کے یہاں آتی اور اس عورت کا بچہ دودھ کے لئے روتا تو آپ اپنی والدہ محترمہ کو اشارہ کرتے جس کا مطلب ہوتا کہ وہ اپنا دودھ اس بچے کو پلا دیں۔جب وہ بچہ دودھ پیتا تو آپ بہت خوش ہوتے یہاں تک کہ ہنسنے لگتے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی پرورش اور ابتدائی تعلیم والدین کے زیر سایہ خراساں میں گھر پر ہوئی، آپ کے والد بزرگوار اس

Scanned with CamScanner

وقت کے ایک مایہ ناز عالمِ دین تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز ۹ رسال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا پھر آپ نے سنجر کے ایک مکتب میں داخل ہو کر تفسیر، حدیث شریف اور فقہ کی تعلیم پائی، بہت کم عرصہ میں آپ نے کثیر علم حاصل کر لیا، اسی شہر کی مناسبت سے آپ سنجری مشہور ہوئے۔

جب حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر پندرہ سال کی تھی والد بزرگوار نے وصال فرمایا، اس کے کچھ عرصہ بعد والدہ ماجدہ بھی اس سرائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ حضرت غریب نواز کے دو حقیقی بھائی تھے، والدین کی رحلت کے بعد بھائیوں نے ترکہ پدری تقسیم کر لیا، آپ کے حصے میں ایک باغ اور بن چکی آئی جو پانی سے چلتی تھی، باغ اور بن چکی کی آمدنی سے گزر اوقات فرماتے اور عبادت الٰہی و خدمت فقراء و مساکین میں مصروف رہتے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر کا پندرھواں سال چل رہا تھا اُس وقت آپ زیادہ فقیروں صوفیوں درویشوں اور اولیاء کی صحبت میں مصروف رہتے، ایک دن آپ حسب معمول اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے اچانک بغیر کسی اطلاع کے اشارہ غیبی حضرت ابراہیم قندوزی (جو اس دور کے بہت بڑے مجذوب تھے) تشریف لائے۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم قندوزی کو ایک سایہ دار درخت کے پاس بٹھایا، آپ کے ساتھ نہایت اخلاق و عزت اور عجز و انکساری سے پیش آئے اور خاطر تواضع کی اور تازہ انگور کا ایک خوشہ سامنے لا کر رکھ دیا اور دوزانو بیٹھ گئے۔ حضرت مجذوب نے انگور تناول فرمائے اور خواجہ غریب نواز کی لوح پیشانی پڑھ لی اور بخوبی سمجھ گئے کہ یہ لڑکا جو آج اس باغ کو پانی دے رہا ہے کل یہی لڑکا دنیا کے باغ کو پانی دے گا۔ ایک ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کی روحانی پیاس بجھائے گا، جو اس کے ہاتھ سے جام پیئے گا وہ عشق الٰہی میں مست و سرشار ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم قندوزی اپنی بغل میں لٹکی ہوئی تھیلی میں سے پھل یا روٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے منہ میں ڈالا دندانِ مبارک سے چبا کر حضرت خواجہ غریب نواز کے منہ میں ڈال دیا، آپ نے اسے کھا لیا، کھاتے ہی تمام حجابات اُٹھتے دکھائی دینے لگے۔ سینہ انوارِ الٰہی سے چمکنے لگا۔ دنیا کی محبت سے دل خالی ہو گیا، مجذوب صاحب چلے گئے حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے باغ اور بن چکی کو فروخت کر ڈالا اور سارا پیسہ غرباء فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور خود تلاشِ حق اختیار فرمایا۔

تحصیل علم کی خاطر غریب نواز نے اُس دور کے عظیم الشان علمی درسگاہوں کا رخ لیا، سمرخند اور بخارہ میں آپ نے علم ظاہری حاصل فرمایا۔ مولانا حسام الدین بخاری اور مولانا شرف الدین صاحب سرع الاسلام جیسی جلیل القدر ہستیوں کو آپ کے اساتذہ بننے کا شرف حاصل ہے۔ سمرخند و بخارہ سے آپ عراق تشریف لے گئے، عراق سے عرب اور وہاں سے ہارون پہنچے، بعد ازاں بغداد میں رونق افروز ہوئے۔

خواجہ غریب نواز ۵۵۰ ھجری مطابق ۱۱۵۵ء میں پیرانِ پیر حضرت غوثِ پاک سے پہلی بار بغداد میں ملاقات فرمائی، حضرت غوث سرکار حضرت غریب نواز دادھیال کی طرف سے ماموں اور نانھیال کی طرف سے خالہ زاد بھائی ہیں۔ پیرانِ پیر نے خواجہ غریب نواز کو دیکھ کر فرمایا یہ مردِ مقتدائے روزگار ہے۔ بہت سے لوگ اس سے منزلِ مقصود کو پہنچے گے۔

مرشدِ اولیاء خواجہ صوفیاء امام اتقیاء حضرت خواجہ عثمان ہارونی سلسلہ چشتیہ کے اکابر متقدمین میں سے ہیں، ہندوستان کے روحانی شہنشاہ حضرت خواجہ غریب نواز کے پیرو مرشد ہیں، آپ کی ولادت باسعادت نیشا پور قصبہ ہارون میں ہوئی، آپ خاندان سعادت کے چشم و چراغ ہیں، آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت رجحانِ عبادات اور ریاضات کی طرف تھا، عہد کمسنی میں آپ کا معمول تھا کہ ایک قرآن مجید دن اور رات میں ختم فرمایا کرتے تھے۔ خواجہ نیر الدین حاجی شریف زندانی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے خلعت وخلافت حاصل کرنے کے بعد بلاد اسلامی اور سیر وسیاحت شروع کردی، اپنی زندگی کے ستر سال سخت ریاضت میں بسر فرمائی، آپ ان میں اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ پانچ پانچ روز تک افطار نہ فرماتے تھے۔ مجاہدات کے ستر سالہ زمانے میں نہ پیٹ بھر کھایا نہ پانی پیا۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ولایت میں اتنے بلند مرتبہ میں فائز تھے کہ آپ کی دعائیں کبھی رد نہ ہوتی، سفر و حضر میں آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوتا تھا، آخر عمر میں آپ مکہ مکرمہ میں گوشہ نشین ہوگئے۔ اسی مبارک ومقدس شہر میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ کی آرامگاہِ مقدس ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز بغداد سے حرمین شریف تشریف لے گئے وہاں سے آپ بحکم الہام باطنی قصبہ ہارون علامہ نیشا پور پہنچ کر قطب وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے دست پر بیعت کی۔ ڈھائی سال تک مرشد کی خدمت اقدس میں مصروف مجاہدہ رہے آخر کار مرشد کی خدمت رنگ لائی صاحب اجازت ہوئے اور خرقہ خلافت سے مستفید ہوئے۔

خواجہ غریب نواز اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ کافی مدت سیر و سیاحت میں گزاری۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے بیعت کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز کا ہاتھ پکڑ کر قبلہ رو ہو کر فرمایا ''اے معین الدین میں نے تجھ کو اللہ تک پہنچا دیا اور مقبول بارگاہ خداوندی کر دیا'' پھر ڈھائی سال بعد خلافت سے سرفراز فرما دیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اسکے آغوش ناز میں آپ کو کیا ملا کہ بیس سال چھ ماہ کی مدت اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں بسر کر دی۔ خواجہ غریب نواز اپنے پیرو مرشد کے ہمراہ معتدد مقامات کا سفر کیا اور کئی مرتبہ حج فرمایا۔ خواجہ غریب نواز اپنے پیرو مرشد کے سایہ کی طرح رہتے۔ دوران سفر مرشد کا بستر، خواب توشہ اور دوسری اشیاء سر پر لادے ہوئے ہمراہ چلتے اس سفر وسیاحت کے دوران فالوجہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بخارا، اوش، بدخشاں سیوستان، دمشق، سنجار ہوتے ہوئے بغداد پہنچے، پھر خانہ کعبہ کا سفر اختیار فرمایا فالوجہ میں آپ نے اپنے پیرو مرشد کے ساتھ جامع مسجد میں اعتکاف فرمایا پھر مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بخارا، اوش پہنچے۔ جب بیت اللہ شریف حاضر ہوئے اور طواف سے فارغ ہوئے تو پیرو مرشد نے خواجہ بزرگ کا ہاتھ پکڑ کر دعا کی ''اے خداوند تو میرے معین الدین کے لئے جو جو کچھ طلب کروگے دیا جائے گا یہ حکم پا کر عرض کیا، اے خداوند تو میرے معین الدین کو قبول فرما، ارشاد باری ہوا ہم نے قبول کیا، اے خداوند تو میرے معین الدین کو مجھ سے زیادہ شہرت عطا فرما، ارشادِ باری ہوا قبول کیا، پھر عرض کیا میرے معین الدین میں اپنے جلوے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پیدا فرما، ارشاد باری تعالیٰ کی بعد ازاں مدینہ منورہ آئے اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی۔ پیرو مرشد نے خواجہ غریب نواز سے فرمایا ''سلام کر'' آپ نے ادب سے سلام عرض کیا آواز آئی ''وعلیکم السلام یا المشائخ بر و بحر۔ یہ آواز سن کر خواجہ عثمان ہارونی نے

Scanned with CamScanner

خواجہ غریب نواز سے فرمایا ''اب تو درجۂ کمال کو پہنچ گیا''۔

اس کے بعد دونوں حضرات بخارا کے صدر مشائخ سے ملاقات کی پھر دوران سفر حضرت شیخ بہاوالدین اوشیؒ سے ملے بعد میں بدخشاں اور اس کے بعد اوش میں رونق افروز ہوئے۔ اوش میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی بسم اللہ خوانی میں حضرت غریب نواز شامل ہوئے، بسم اللہ خوانی حضرت حمید الدین ناگوری نے کی اُس وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی عمر چار سال، چار ماہ، چار دن تھی پھر سیوستان پہنچ کر ایک بزرگ صدر الدین محمد سے ملاقات کی وہاں سے دمشق تشریف لے گئے۔ آپ دو حضرات کے ہمراہ اُس وقت شیخ احمد الدین کرمانی بھی تھے دمشق کی مسجد کے سامنے بارہ ہزار انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی، پھر سنجار پہنچے وہاں شیخ نجم الدین کسریٰ سے ملاقات کی اور ڈھائی مہینے ان کے پاس قیام فرمایا پھر قصبہ جبل تشریف لائے اور حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی حضرت غوث پاک کی صحبت میں رہ کر بے شمار فیوض حاصل کیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت غوث پاک کی یہ دوسری ملاقات تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی خاطر غوث سرکار نے سماع کی محفل منعقد فرمائی۔

جب روحانیت کے استادِ کامل حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے اپنے مرید خاص حضرت خواجہ غریب نواز کو حقیقت و معرفت کا ایک ایک ورق پڑھا دیا اور فرمایا محبوب خدا اور مجھے معین الدین کی مریدی پر ناز ہے، یہ کہتے ہوئے حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے تبرکات مصطفیٰ ﷺ جو خواجگانِ چشت میں سلسلہ بہ سلسلہ چلے آرہے تھے خواجہ غریب نواز کو عطا فرمائی اور انہیں تبرکات کے شرف سے نواز کر سجادہ نشین بنایا۔ اور عصائے مبارک، خرقہ، نعلین مبارک، مصلےٰ عنایت فرمایا، اور فرمایا یہ تبرکات ہمارے پیران طریقت قدس سرہٗ کی یادگاریں ہیں جو رسولِ خدا ﷺ سے ہم تک پہنچے ہیں، ان کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا تھا۔ یہ ارشاد فرما کر پیر و مرشد نے اپنے کنار مبارک میں لے لیا سر و چشم کو بوسہ دیا اور فرمایا تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔ پھر عالم تحیر میں مشغول ہوگئے۔

خواجہ غریب نواز نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے نہایت اخلاق و ادب سے قدم بوسی ہو کر بہ چشم گراں و دل بریاں رخصت ہوئے اور پھر سفر شروع کیا اس وقت آپ کی عمر شریف باون سال کی تھی۔

حضرت خواجہ غریب نواز جہاں بھی سفر پر جاتے آبادی سے باہر کسی قبرستان سے قریب قیام فرماتے۔ اس سیاحت میں بڑے بڑے اولیائے کاملین اور مشائخین عصر سے فیوض و برکات حاصل فرماتے رہے اور طالبان حق اور سالکان راہ طریق کو مستفیض فرماتے رہے، چنانچہ پہلا مقام سنجان میں ہوا وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے ساتھ پندرہ روز قیام فرمایا، وہاں سے بغداد شریف پہنچ کر حضرت شیخ ضیاء الدین اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات فرمائی اور نعمتیں حاصل کرتے ہوئے ہمدان چلے گئے جہاں حضرت خواجہ وحید الدین کرمانی اور حضرت خواجہ یوسف ہمدان سے ملاقات فرمائی۔ وہاں سے تبریز پہنچ کر وقت کی کامل ہستی حضرت شیخ ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی وہاں سے اصفہان پہنچ کر حضرت خواجہ محمود اصفہانی کی خدمت میں کچھ دن رہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی شیخ محمود اصفہانی سے بہت اعتقاد رکھتے تھے اور ان سے بیعت کرنا چاہتے تھے جب

خواجہ غریب نواز سے فرمایا ''اب تو درجۂ کمال کو پہنچ گیا''۔

اس کے بعد دونوں حضرات بخارا کے صدر مشائخ سے ملاقات کی پھر دوران سفر حضرت شیخ بہاوالدین اوشیؒ سے ملے بعد میں بدخشاں اور اس کے بعد اوش میں رونق افروز ہوئے۔ اوش میں حضرت قطب الدین بختیار کا کی کی بسم اللہ خوانی میں حضرت غریب نواز شامل ہوئے، بسم اللہ خوانی حضرت حمید الدین ناگوری نے کی اُس وقت حضرت قطب الدین بختیار کا کی کی عمر چار سال، چار ماہ، چار دن تھی پھر سیوستان پہنچ کر ایک بزرگ صدرالدین محمد سے ملاقات کی وہاں سے دمشق تشریف لے گئے۔ آپ دو حضرات کے ہمراہ اُس وقت شیخ احمد الدین کرمانی بھی تھے دمشق کی مسجد کے سامنے بارہ ہزار انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی، پھر سنجار پہنچے وہاں شیخ نجم الدین کسریٰ سے ملاقات کی اور ڈھائی مہینے ان کے پاس قیام فرمایا پھر قصبہ جبل تشریف لائے اور حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی حضرت غوث پاک کی صحبت میں رہ کر بے شمار فیوض حاصل کیا۔ حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت غوث پاک کی یہ دوسری ملاقات تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی خاطر غوث سرکار نے سماع کی محفل منعقد فرمائی۔

جب روحانیت کے استادِ کامل حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے اپنے مرید خاص حضرت خواجہ غریب نواز کو حقیقت و معرفت کا ایک ایک ورق پڑھا دیا اور فرمایا محبوب خدا اور مجھے معین الدین کی مریدی پر ناز ہے، یہ کہتے ہوئے حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے تبرکات مصطفیٰ ﷺ جو خواجگانِ چشت میں سلسلہ بہ سلسلہ چلے آرہے تھے خواجہ غریب نواز کو عطا فرمائی اور انہیں تبرکات کے شرف سے نواز کر سجادہ نشین بنایا۔ اور عصائے مبارک، خرقہ، نعلین مبارک، مصلّےٰ عنایت فرمایا، اور فرمایا یہ تبرکات ہمارے پیران طریقت قدس سرہٗ کی یادگاریں ہیں جو رسولِ خدا ﷺ سے ہم تک پہنچے ہیں، ان کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا تھا۔ یہ ارشاد فرما کر پیر و مرشد نے اپنے کنار مبارک میں لے لیا سر و چشم کو بوسہ دیا اور فرمایا تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔ پھر عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔

خواجہ غریب نواز نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے نہایت اخلاق و ادب سے قدم بوسی ہو کر بہ چشم گراں و دل بریاں رخصت ہوئے اور پھر سفر شروع کیا اس وقت آپ کی عمر شریف باون سال کی تھی۔

حضرت خواجہ غریب نواز جہاں بھی سفر پر جاتے آبادی سے باہر کسی قبرستان سے قریب قیام فرماتے۔ اس سیاحت میں بڑے بڑے اولیائے کاملین اور مشائخین عصر سے فیوض و برکات حاصل فرماتے رہے اور طالبان حق اور سالکان راہ طریق کو مستفیض فرماتے رہے، چنانچہ پہلا مقام سنجان میں ہوا وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے ساتھ پندرہ روز قیام فرمایا، وہاں سے بغداد شریف پہنچ کر حضرت شیخ ضیاء الدین اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات فرمائی اور نعمتیں حاصل کرتے ہوئے ہمدان چلے گئے جہاں حضرت خواجہ وحید الدین کرمانی اور حضرت خواجہ یوسف ہمدان سے ملاقات فرمائی۔ وہاں سے تبریز پہنچ کر وقت کی کامل ہستی حضرت شیخ ابوسعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی وہاں سے اصفہان پہنچ کر حضرت خواجہ محمود اصفہانی کی خدمت میں کچھ دن رہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی شیخ محمود اصفہانی سے بہت اعتقاد رکھتے تھے اور ان سے بیعت کرنا چاہتے تھے جب

ان کی نگاہ حضرت خواجہ غریب نواز پر پڑھی تو دل وجان سے گرویدہ ہو کر مریدوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔اُس وقت خواجہ غریب نواز دوتائی اوڑھے ہوئے تھے وہ آپ نے حضرت قطب الدین کو دے دی،مراحل عرفان طئے کرنے کے لئے قطب صاحب بعد ازاں حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ رہنے لگے اور سفر کرنے لگے۔پھر وہاں سے خرقان تشریف لے گئے،حضرت ابوالحسن قرقانی کی مزار مقدس پر دو برس قیام فرمایا وہاں سے آپ ستر آباد تشریف لے گئے وہاں حضرت خواجہ ناصرالدین سے جو بایزید بسطامی کی اولاد سے تھے اور جن کی عمر شریف ۱۷۰ برس تھی ان سے ملاقات کر کے فیوض و برکات حاصل کیں۔ستر آباد سے آپ ہرات اور ہرات سے بلخ تشریف لے گئے وہاں حضرت خواجہ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔بلخ میں مولانا امام الدین جو مدرس تھے اکثر فقراء اور صوفیاء کا مذاق اڑاتے تھے،اتفاقاً حضرت خواجہ غریب نواز سے ملاقات ہوئی اور تمام کتابیں دریا میں ڈال کر علائق دنیوی سے پاک ہو کر مع اپنے شاگردوں کے مرید ہو گئے۔حضرت غریب نواز نے انہیں خلافت عطا فرمائی اور وہیں قیام کا حکم فرما کر غزلی کی طرف چل دئے(اس سے پہلے حضرت خواجہ غریب نواز نے ہمدان میں وحیدالدین کرمانی کو بھی خلافت عطا فرمائی تھی)غزلی میں حضرت عبدالواحد کی خانقاہ میں قیام فرمایا دوران قیام ایک دن آپ کو بحکم الہام باطن حرمین شریفین کی زیارت کا اشارہ ہوا۔

حضرت خواجہ غریب نواز مع حضرت قطب الدین مکہ معظّمہ پہنچے اور کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے،آپ ہر روز طواف کعبہ اور عبادت میں مشغول رہتے تھے،ایک دن آپ حرم کعبہ میں یادالٰہی میں مستغرق تھے کہ غیب سے ایک آواز سنی،آپ نے آواز پر دھیان دیا''اے معین الدین ہم تجھ سے خوش ہیں تجھے بخش دیا جو کچھ چاہے مانگ تا کہ عطا کریں''حضرت خواجہ غریب نواز یہ آواز سن کر بہت خوش ہوئے۔مکہ معظّمہ میں شکر گزار بندوں کی طرح سر زمین پر رکھ دیا اور بارگاہ یزدی میں بصد عجز عرض کیا خداوندا معین الدین کے مریدان سلسلہ کو بخش دے،ندا آئی کہ اے معین الدین تو ہماری ملک ہے جو تیرے مرید اور تیرے سلسلہ میں تا قیامت مرید ہوں گے انہیں بخش دوں گا۔کچھ دن مکہ معظّمہ میں آپ قیام رہے حج کا فریضہ انجام دیا پھر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

انتہائی ادب سے صلوۃ وسلام پڑھتے ہوئے دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے جب حضرت غریب نواز حد مقررہ پر رک گئے تو ندا آئی اے معین الدین اندر آؤ،آپ مستی و بے خودی کے عالم میں حاضر ہوئے تو جمال جہاں آرائے نبوی ﷺ سے مشرف ہو گئے۔سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ''اے معین الدین تو معین و ناصر دین ہے ولایت ہندوستان زیر نگین ہے میں نے ولایت ہندوستان تجھ کو عطا کی وہاں ظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر جا تیرے وجود سے ظلمت اور کفر دور ہو گی اور اسلام رونق پزیر ہو گا خطاب ہندالولی سے بحکم خداوندی تجھ کو سرفراز کیا۔ہندوستان میں ہمارا نائب مقرر کیا اور اجمیر تمہارا مسکن و مدفن مقرر کیا۔غریب نواز نے عرض کیا کہ یا جدی میں حیران ہوں کہ مقام ہندوستان کدھر ہے،اجمیر کہاں واقع ہے کیسی جگہ اور کونسا مقام ہے،مدینہ منورہ سے کتنی دور ہے۔چنانچہ آپ کو ایک انار بہشتی عطا کیا اور ارشاد ہوا کہ اے میرے حبیب اس انار بہشتی کے دانے میں نے تمہارے لئے سرورِدوعالماں ہے جو چاہو گے وہ پوشیدہ چیزیں عیاں ہو جائیں گی۔بحکم جب اس انار بہشتی میں آپ نے معائنہ فرمایا تو اس میں مشاہدہ کر لیا،بعدہ دس اسمائے اعظم کے حصول دارین کے لئے اکسیر اعظم ہیں دربار رسالت ﷺ سے عطا ہوئے

اور فرمانِ رخصت حاصل ہوا۔

دربارِ رسالت ﷺ سے حکم پا کر حضرت خواجہ غریب نواز سفر ہند کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ آپ مدینہ منورہ سے بغداد شریف پہنچے اور چند دن قیام فرمایا، آپ کے ہمراہ حضرت قطب الدین بختیار کا کی تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین نے چالیس روز متواتر سرور کائنات ﷺ کو اوراج مشائخین اکرام خواب میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا کہ اے معین الدین قطب الدین خدا کا دوست ہے اس کو خلافت دے اور خرقہ کلیم پہنا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے یہ بھی ارشاد فرمایا" آج رات میں حضرت ذوالجلال قادر باکمال کو خواب میں دیکھا وہاں بھی یہ حکم ہوا کہ اے معین الدین بختیار کا کی کو درویشی کا خرقہ اور خلافت عطا کر کیونکہ قطب الدین ہمارا دوست ہے اور محمد ﷺ کا بھی دوست ہے، ہم نے اسے برگزیدہ بندہ بنایا ہے اور اس کا نام اپنے دوستوں میں درج کیا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز حضرت قطب الدین کو خواجہ ابوللّی سمرقندی کی مسجد میں بیعت وخلافت سے مشرف فرمایا اس وقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی اصفانی موجود تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز مدینہ منورہ سے بغداد تشریف لائے چند دن بغداد میں قیام کے بعد بقصد اجمیر روانہ ہوئے دورانِ سفر چشیت، فرقان، جہینہ، کرمان۔ سنر آباد ہوتے ہوئے بخارہ پہنچے، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزہ وار تشریف لائے وہاں سے بلخ پہنچے پھر بلخ سے سمرقند تشریف لائے اس سفر میں حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ چالیس اولیائے کرام ہمسفر تھے۔ سمرقند ملتان ہوتا ہوا یہ نورانی قافلہ لاہور پہنچا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش ؒ کے مزار پر انوار پر اپنے پیرومرشد کے حکم سے رشد وہدایت کی بساط بچھائی اور اس خطہ کو علم وعرفان کا مرکز بنادیا، آپ نے حضرت داتا گنج بخش کے روضہ مبارک پر دو ماہ اعتکاف فرما کر روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے، لاہور سے حضرت خواجہ غریب نواز سمانہ (سامانہ) جو پٹیالہ کے قریب ہے پہنچے۔ راجہ پرتھوی راج چوہان کی ماں نجوم وکہانت میں کمال رکھتی تھی اس نے بارہ سال بیشتر ہی اپنے بیٹے پرتھوی راج چوہان (جو اُس وقت حاکم اجمیر تھا) سے کہہ دیا کہ ایک مرد بزرگ فلاں حلیہ اس کا ہے اس ملک میں آکر تیرے اور تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ اس سے راجہ ہمیشہ متفکر رہتا تھا اور اس نے حکام مادر کردئے تھے کہ فلاں حلیہ کا اگر کوئی شخص سلطنت کے کسی بھی حصہ میں پایا جائے تو اسے گرفتار کر کے فوراً حاضر کیا جائے۔ اسے اس کام پر انعام ملے گا۔ چنانچہ جب آپ سماتا پہنچے تو کارکنان سلطنت نے شناخت کر کے کہا آپ کوئی بزرگ شخص معلوم ہوتے ہیں آیئے ہم آپ کو کسی معقول جگہ پر ٹھہرائیں گے۔ آپ نے مراقبہ فرمایا، مراقبہ میں رسول اکرم ﷺ نے ہدایت کردی کہ ان لوگوں کے فریب میں نہ آنا۔ تو آپ نے ان لوگوں کی پیشکش ٹھکرادی اس طرح وہ اپنے برے ارادے میں ناکام ہو گئے، اس کے بعد آپ دہلی میں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ کفار نے ہر چند آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس وقت یہ شہر کفرستان تھا آپ برابر اذانیں دے کر نمازیں ادا کرتے رہے مگر آپ کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر شریف میں پہلی بار کب جلوہ افروز ہوئے اس بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس وقت صرف اجمیر شریف ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر وبیشتر علاقوں میں کفر وشرک کا دور دورہ تھا۔ اجمیر پر پرتھوی راج

Scanned with CamScanner

چوہان پائے تخت پر تھا دہلی اور دوسرے علاقے اس کے ماتحت تھے۔حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر شریف میں بالکل نو وارد تھے۔آپ مع اپنے ساتھیوں کے شہر سے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گئے،لیکن راجہ کے ملازمین وہاں سے اٹھنے کو کہا ''یہاں تو راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں،لہذا آپ لوگ یہاں سے اٹھ جائیں۔لہذا آپ نے کہاہاں یہاں تو راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے گے اور اٹھ کر تالاب اناساگر پر بیٹھے جہاں مدہاہابت خانے تھے۔دوسرے دن اونٹوں کو اٹھانا تھا مگر اونٹ وہاں سے اُٹھ نہ سکے ،جب راجہ کے ملازمین نے آکر سرکار غریب نواز سے معافی مانگی تو اونٹ اٹھ گئے۔راجہ نے حکم دیا کہ انہیں پکڑ کر شہر سے باہر کردو ۔راجہ کے ملازم جوں ہی پہنچے تو سرکار غریب نواز نے آیۃ الکرسی پڑھ کر خاک کی چٹکی پر دم کیا اور ہوا میں اڑا دیا جس پر پڑی وہ وہیں کا وہیں بے حس وحرکت ہوکر رہ گئے۔تیسرے دن راجہ اور اہل شہر تالاب پر پوجا کے لئے جمع ہوئے رام دیومہت ایک جماعت کثیر کے ساتھ آپ کو بجبر اٹھانے کے لئے بڑھا،آپ نے جو نظر ڈالی اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوا اسی وقت پاؤں پر گر کر اسلام قبول کرلیا۔یہ پہلا مسلمان تھا جو آگے چل کر بڑے مرتبہ پر فائز ہوگیا۔

سادھورام سارے پجاریوں کا سردار تھا،خواجہ غریب نواز کی بے شمار کرامتوں کا ظہور دیکھ کر آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا،سادی دیوی کا اسلامی نام سعدی رکھا گیا۔

اناساگر جس کا پانی تمام اہل شہر استعمال کرتے تھے حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہیوں کے لئے بند کردیا گیا۔جب خواجہ غریب نواز کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اپنے مرید سعدی (سادی دیو) سے اناساگر سے ایک پیالہ پانی لانے کو کہا۔سعدی پہرے کے باوجود تالاب تک پہنچ کر جوں ہی پیالہ میں پانی ڈالا سارا پانی سمٹ کر پیالہ میں آگیا اور سارا تالاب سوکھ گیا۔وہ پیالہ سرکار غریب نواز کے تمام اصحاب کی ضروریات اس تھوڑے سے پانی سے پوری ہونے لگی۔لوگوں کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ۔جے پال نے آپ سے منت سماجت کی تو آپ نے حکم دیا کہ پیالہ میں کا پانی اناساگر میں واپس ڈال دو،جوں ہی پانی اناسگر میں ڈالا گیا اناساگر پانی سے لبالب ہوگیا۔

جئے پال جو ایک جوگی تھا حضور غریب نواز کی بے شمار روحانی طاقت سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگیا اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔کہا جاتا ہے کہ جئے پال (عبداللہ) اب تک زندہ ہے۔اجمیر کے بوستان میں رہتا ہے جو راہ گیر راستہ بھول جاتا ہے اس کی رہبری کرتا ہے اور شب جمعہ روضہ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

اب تک سرکار غریب نواز مع اپنے ساتھیوں کے اناساگر کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے سادھورام اور جے پال جن کا اسلامی نام سعدی اور عبداللہ ہے غریب نواز کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور بستی میں قیام فرمائیں تاکہ مخلوق آپ کے قدموں کی برکت سے مستفیض ہوں۔حضور غریب نواز نے ان کی درخواست قبول کی اور اپنے ایک مرید یادگار محمد کو شہر میں جگہ منتخب کرنے کا حکم فرمایا،یادگار محمد نے جگہ منتخب کی اور خواجہ غریب نواز کو مطلع کیا۔خواجہ غریب نواز جھالرہ آکر قیام فرمایا۔یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل سرکار غریب نواز کی یادگار مقدس ہے،قیام کے بعد یہ جماعت خانہ،مطبخ خانہ بنوایا گیا۔

سادھورام اور جے پال کے اسلام قبول کرنے اور شہر میں قیام کرنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز نے راجہ پرتھوی راج

چوہان کو دعوت اسلام دی، راجہ پرتھوی راج نے قبول نہ کی، خواجہ غریب نواز سے اس کے انکار کا ذکر کیا گیا تو آپ کو سخت افسوس ہوا، آپ نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ بد بخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلام کے لشکر کے حوالے زندہ گرفتار کروادونگا۔

شہاب الدین غوری نے خراساں میں حضرت خواجہ غریب نواز کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس کو تسلی دے رہے ہیں اور اس سے فرما رہے ہیں خدائے تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطانی تجھے بخشی جلد اس طرف توجہ کر اور راجہ پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے سزا دے۔ شہاب الدین غوری نے اپنا خواب علماء وفضلاء سے بیان کیا سب نے ایک زبان ہو کر خواب کی تعریف کی اور کہا کہ یہ خواب فتح وکامرانی کا مژدہ ہے۔ اس کے بعد سرکار غریب نواز نے راجہ پرتھوی راج سے کہلا بھیجا تھا کہ ہم تو جاتے ہیں، چنانچہ آپ نے اجمیر سے کوچ فرمایا۔ اجمیر سے روانہ ہو کر آپ اوس میں نوافروز ہوئے اوش سے غزنین کو رونق بخشی غزنین سے حضرت خواجہ غریب نواز شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ پیشاور تک تشریف لائے (آپ لشکر کے ہمراہ تھے شاید یہ بات شہاب الدین غوری کو معلوم نہ تھی) شہاب الدین غوری پیشاور سے ملتان روانہ ہوا لیکن حضرت غریب نواز ملتان کے بجائے لاہور تشریف لائے اور وہاں آپ نے سید حسین زنجانی سے ملاقات کی، آپ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے۔ شہاب الدین غوری اور راجہ پرتھوی راج چوہان کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہوئی اس جنگ میں سلطان شہاب الدین غوری کو فتح اور راجہ پرتھوی راج چوہان کو شکست ہوئی۔ شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا، فتح کے بعد شہاب الدین غوری جب اجمیر میں داخل ہوا تو اس کے اجمیر پہنچنے سے پہلے سرکار غریب نواز دوسری بار اجمیر میں رونق افروز ہو چکے تھے۔ شہاب الدین غوری اجمیر میں داخل ہوا تو مغرب کا وقت تھا اس نے اذان کی آواز سنی پتہ لگا کر وہاں پہنچا جماعت کھڑی ہو چکی تھی سرکار غریب نواز امامت فرما رہے تھے۔ شہاب الدین غوری جماعت میں شریک ہو گیا نماز ختم ہوئی یکا یک شہاب الدین غوری کی نگاہ سرکار غریب نواز کے چہرہ مبارک پر پڑی یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ تھی وہی بزرگ ہیں جنھوں نے اس کو فتح وکامرانی کی بشارت دی تھی۔ شہاب الدین آگے بڑھا حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا بہت دیر تک روتا رہا جب رونے سے فارغ ہوا حضور غریب نواز کی خدمت با برکت میں ادب سے درخواست کی کہ آپ اس کو اپنی مریدی کا شرف بخشیں۔ خواجہ غریب نواز نے از راہِ عنایت وشفقت اس کی درخواست منظور فرمائی اور اس کو مریدی کے شرف سے نوازا، اُس وقت قاضی حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے۔

آپ کی جبین مبارک پر بقلمِ قدرت یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ (یہ خدا کا حبیب ہے اور اللہ کی محبت میں انتقال ہو گیا) آپ کے جنازہ کی نماز آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ فخر الدین نے پڑھائی جس حجرہ میں آپ پردہ فرمائے اسی حجرہ میں آپ کا روضہ مبارک بنا۔ مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ آپ مقامات قطبی اور قطب الاقطابی پر فائز تھے۔ ستر برس تک شب کو نہیں سوئے دن بر روزہ رکھتے اور رات بھر مراقبہ میں رہتے۔ آپ کا شمار دنیا کے اسرار مشائخ میں ہوتا ہے۔ صدیوں سے آپ کی بارگاہ مرجع خاص وعام ہے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال یکم تا ۶ رجب المرجب کو عالیشان پیمانے پر منایا جاتا ہے جس میں دنیا بھر سے زائرین کرام جوق در جوق تشریف لاتے ہیں اور اپنی دامن مراد سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

چوہان کو دعوت اسلام دی، راجہ پرتھوی راج نے قبول نہ کی، خواجہ غریب نواز سے اس کے انکار کا ذکر کیا گیا تو آپ کو سخت افسوس ہوا، آپ نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ اگر یہ بدبخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلام کے لشکر کے حوالے زندہ گرفتار کروادونگا۔

شہاب الدین غوری نے خراساں میں حضرت خواجہ غریب نواز کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس کو تسلی دے رہے ہیں اور اس سے فرمارہے ہیں خدائے تعالیٰ نے ہندوستان کی سلطانی تجھے بخشی جلد اس طرف توجہ کر اور راجہ پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے سزا دے۔ شہاب الدین غوری نے اپنا خواب علماء وفضلاء سے بیان کیا سب نے ایک زبان ہو کر خواب کی تعریف کی اور کہا کہ یہ خواب فتح وکامرانی کا مژدہ ہے۔ اس کے بعد سرکار غریب نواز نے راجہ پرتھوی راج سے کہلا بھیجا تھا کہ ہم تو جاتے ہیں، چنانچہ آپ نے اجمیر سے کوچ فرمایا۔ اجمیر سے روانہ ہو کر آپ اوس میں نوافروز ہوئے اوش سے غزنین کو رونق بخشی غزنین سے حضرت خواجہ غریب نواز شہاب الدین غوری کے لشکر کے ساتھ پیشاور تک تشریف لائے (آپ لشکر کے ہمراہ تھے شاید یہ بات شہاب الدین غوری کو معلوم نہ تھی) شہاب الدین غوری پیشاور سے ملتان روانہ ہوا لیکن حضرت غریب نواز ملتان کے بجائے لاہور تشریف لائے اور وہاں آپ نے سید حسین زنجانی سے ملاقات کی، آپ لاہور سے دہلی تشریف لے گئے۔ شہاب الدین غوری اور راجہ پرتھوی راج چوہان کے درمیان گھماسان کی لڑائی ہوئی اس جنگ میں سلطان شہاب الدین غوری کو فتح اور راجہ پرتھوی راج چوہان کو شکست ہوئی ۔شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا، فتح کے بعد شہاب الدین غوری جب اجمیر میں داخل ہوا تو اس کے اجمیر پہنچنے سے پہلے سرکار غریب نواز دوسری بار اجمیر میں رونق افروز ہو چکے تھے۔ شہاب الدین غوری اجمیر میں داخل ہوا تو مغرب کا وقت تھا اس نے اذان کی آواز سنی پتہ لگا کر وہاں پہنچا جماعت کھڑی ہو چکی تھی سرکار غریب نواز امامت فرمارہے تھے ۔شہاب الدین غوری جماعت میں شریک ہو گیا نماز ختم ہوئی یکا یک شہاب الدین غوری کی نگاہ سرکار غریب نواز کے چہرہ مبارک پر پڑی یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ تھی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اس کو فتح وکامرانی کی بشارت دی تھی۔ شہاب الدین آگے بڑھا حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا بہت دیر تک روتا رہا جب رونے سے فارغ ہوا حضور غریب نواز کی خدمت بابرکت میں ادب سے درخواست کی کہ آپ اس کو اپنی مریدی کا شرف بخشیں۔ خواجہ غریب نواز نے ازراہِ عنایت وشفقت اس کی درخواست منظور فرمائی اور اس کو مریدی کے شرف سے نوازا، اُس وقت قاضی حمید الدین ناگوری بھی موجود تھے۔

آپ کی جبین مبارک پر بقلمِ قدرت یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ (یہ خدا کا حبیب ہے اور اللہ کی محبت میں انتقال ہو گیا) آپ کے جنازہ کی نماز آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ فخر الدین نے پڑھائی جس حجرہ میں آپ پردہ فرمائے اسی حجرہ میں آپ کا روضہ مبارک بنا۔ مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ آپ مقامات قطبی اور قطب الاقطابی پر فائز تھے ۔ستر برس تک شب کو نہیں سوئے دن بر روزہ رکھتے اور رات بھر مراقبہ میں رہتے۔ آپ کا شمار دنیا کے اسرار مشائخ میں ہوتا ہے ۔صدیوں سے آپ کی بارگاہ مرجع خاص وعام ہے۔ آپ کا عرس مبارک ہر سال یکم تا ۶ ررجب المرجب کو عالیشان پیانے پر منایا جاتا ہے جس میں دنیا بھر سے زائرین کرام جوق در جوق تشریف لاتے ہیں اور اپنی دامن مراد سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

درد سر کے اقسام اور اُن کی وجوہات

از: ڈاکٹر نعمان باشاہ قریشی، بی یو ایم ایس

ایم اے، ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی

Cell : 9994616223

بزرگوں نے انسان اور دنیا کے بارے میں دولفظوں کا استعمال کیا ہے۔ دنیا عالم اصغر ہے اور اسی دنیا میں رہنے والا انسان اپنے بدنی نظام کے اعتبار سے عالم اکبر ہے، قدیم زمانوں میں ان دولفظوں کے معنی اور ان کی اصلی اور حقیقی صورت سامنے نہ آسکی لیکن موجودہ دور کے سائنسی الات نے دنیا کی اصلی تصویر دکھلا دی ہے اور بدن انسانی کی اندرونی تصویر بھی سب کے سامنے رکھ دی ہے کائنات میں چاند، سورج، ستارے، سیارے، زمین، رات، دن، ہوا، گرمی، سردی، بارش، اور موسم وغیرہ اور نا معلوم کتنی چیزیں ایسی ہیں جو بھی پوشیدہ ہیں یہ تمام اپنا اپنا کام کر رہے ہیں سائنس کے ذریعہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق بھی سامنے آ گیا ہے اگر یہ چیزیں اپنا اپنا کام کرنا چھوڑ دیں تو دنیا کے نظام میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

انسان کے اندر بھی مختلف اعضاء اور اشیاء ہیں دل، دماغ، گردے، جگر، بلغم، صفرا، سودا، خون، اور ان کے مقدار کی سطح، دماغ کی رگیں دل کی رگیں، اور لاکھوں کی تعداد میں نظر آنے والے اور نظر نہ آنے والے شلس جو ایک مختصر و محدود قد و قامت والے جسم میں موجود ہیں اور یہ سب کے سب اپنا اپنا کام کر رہے ہیں اور ان کے درمیان کے باہمی ربط اور تعلق کا ایک مضبوط نظام ہے موجودہ دور کی میڈیکل سائنس نے اپنے آلات کے ذریعہ انسان کے اندرونی جسم کی ایک ایک چیز اور ان کی مقدار اور ان کی درستگی اور ان کی خرابی سارے پہلوؤں کو نمایاں کر رہی ہے اور ان کے مشاہدہ کی وجہ سے ہر عضو کا علاج برمحل ہو رہا ہے، بدن کے اعضاء اپنا صحیح کام کریں تو اسی کا نام تندرستی ہے اگر صحیح کام نہیں کر رہے ہیں تو اسی کا نام بیماری ہے، انسان کے بدن میں دماغ کی بڑی اہمیت ہے اور اس کے اثرات نہایت اہم اور بہت وسیع ہے اگر آدمی عقل اور دماغ سے پوری طرح خالی ہو جائے تو زندگی ہی ختم ہے اور اگر دماغ کمزور اور بیمار ہے اور وہ اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو زندگی بری طرح سے متاثر ہو جاتی ہے اس لئے دماغ کی صحت اور اسکی قوت کی طرف ہمیشہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، بدن کے دوسرے اعضاء صحیح طور پر کام کر رہے ہیں لیکن دماغ صحیح طور پر کام نہیں کر رہا ہے تو زندگی حرکت و عمل اور راحت و مسرت کے ساتھ چلتی رہتی ہے اگر بدن کے اعضاء صحیح کام کر رہے ہیں لیکن دماغ صحیح طور پر کام نہیں کر رہا ہے تو زندگی ٹھہر جاتی ہے

اور رنج و مایوسی کا شکار ہو جاتی ہے۔ دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے سابق ناظم مرحوم حضرت مولانا ابوالحسن سید شاہ محمد طاہر قادری کا قول ہے ''جسے عقل کم اسے سدا غم''۔

دماغ کی بیماریاں کئی ایک ہیں موجودہ زمانے میں تو نئے نئے دماغی امراض پیدا ہو رہے ہیں جن کے ناموں سے بھی قدیم زمانے میں لوگ واقف نہ تھے۔ سرسام ورم دماغ کی بیماریوں میں ایک خوفناک بیماری ہے جس کے علاج کی طرف فوری طور پر توجہ کرنی چاہئے اگر اسکے علاج میں غفلت برتی گئی تو جان عزیز جلد لقمہء اجل بن جاتی ہے۔ اس مرض کو اطباء نے حقیقی اور غیر حقیقی دو قسم میں تقسیم کیا ہے، حقیقی وہ ہے جو دماغ کے اندر کسی مقام پر ورم پیدا ہو جانے کی وجہ سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے اور مریض کی دماغی حالت خراب سے خراب تر ہو جاتی ہے۔

غیر حقیقی وہ ہے جو وبائی بیماریوں طاعون، (مرگی plague) ذات الجنب (پسلی کا درد pleuritis) نمونیا وغیرہ کی وجہ سے یہ مرض لاحق ہوتا ہے اور ان کے امراض سے صحت یاب ہونے پر سرسامی کیفیت بھی جاتی رہتی ہے۔ حقیقی مرض پیدا ہونے کے اسباب عموماً یہ ہوا کرتے ہیں تمازتِ آفتاب، سخت گرمی اور دھوپ میں عرصہ تک بیٹھنا یا ایسی سخت گرمی اور تیز دھوپ میں راستہ چلنا، صدمہ (دھکا لگنا ٹکرانا) ضرب (چوٹ) سقطہ دماغ شراب کا کثرت استعمال اور میٹھی چیزوں کا زیادہ استعمال اور گوشت کثرت سے کھانا دائمی شدید دردسر اور قبض کا ہونا، یا اخلاط میں سے کسی خلط کا غلبہ ہونا۔

غیر حقیقی مرض کے لئے کسی تیز بخار یا وبائی بیماریوں میں مثلاً طاعون ذات الجنب۔ نمونیا وغیرہ کا لاحق ہونا، اس بیماری کی علامات یہ ہیں مریض کے ہوش وحواس میں فتور آجاتا ہے بے موقع اور بے محل بات چیت کرلے گا اور اس میں ہذیان (بکواس کرنا) کی کیفیت رہیگی بے چینی، واضطراب، اور خوف واندیشہ میں رونا یا ہنسنا اور اختلاط عقل وغیرہ جیسے اعراض پیدا ہو جاتے ہیں یہ بیماری شروع ہونے سے پہلے طبیعت میں سستی بیزارگی ہو جاتی ہے اور مزاج میں چڑچڑاپن ہوتا ہے، دردسر اور دوران سر کی شکایت پیدا ہوتی ہے مریض کے چہرہ پر تفکر اور رنج کی کیفیت ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس کی طبعیت میں بے چینی رہتی ہے اور اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اکثر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے دانت پیستا ہے بعض اوقات مریض کا پیشاب اور پاخانہ بلا ارادہ خارج ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی مریض بالکل بے ہوش اور بے خبر ہوتا ہے شدتِ درد اور تواتر تشنج کی وجہ سے مریض نڈھال ہو کر چیخنے لگتا ہے، عضلات پھڑکتے ہیں، شدت ہذیاں سے مریض ہر وقت بکواس کرتا ہے ایسے مریض کو ایک کشادہ ہوادار اور اندھیرے کمرے میں روشنی سے دور رکھیں اور وہاں کسی قسم کا شوروغل نہ ہونے دیں اور مریض کے سر کو کسی قدر اونچا رکھیں اگر مرض دموی ہو یعنی غلبہ خون کے آثار نمایاں ہوں جیسے بخار کا نہایت تیز ہونا اور بخار ایک ہی حالت پر رہنا، سروزن اور بھاری ہونا اور درد کا ہونا، ہذیاں اور بکواس کی کیفیت ہو اور بعض اوقات ناک

Scanned with CamScanner

سے خون کا ایک آدھ قطرہ ٹپکنا، ایسے مریض کا علاج کسی ماہر اور تجربہ کار طبیب ہی سے کیا جائے اور مریض کو خمیرہ گاؤزبان ایک تولہ، چاندی کے ورق میں لپیٹ کر کھلائیں اوپر سے انگور کے پانچ دانے عرق گاؤزبان ۱۲ تولہ میں پیس کر شربت بنفشہ ۲ تولہ میں ڈال کر پلائیں اور مومنگ کی دال کے آٹے کو گائے کے دودھ میں گوندھ کر اس کی روٹی ایک طرف سے پکا کر دوسری طرف سے کچی رکھکر کچے رُخ پر ایک تولہ روغنِ گل چھڑک کر سر پر نیم گرم باندھیں اور تین گھنٹے گزرنے کے بعد پھر یہی عمل کریں۔

سر میں درد پیدا ہونے کی وجوہات بہت سے ہیں پہلے اس درد کی وجہ اور اس کا سبب تلاش کرنا چاہئے پھر اس علت اور سبب کو دور کرنا چاہئے جس سے وہ درد پیدا ہو رہا ہے عام طور پر pain killer گولیاں استعمال کرتے ہیں جن سے وقتیہ طور پر درد ختم ہو جاتا ہے پھر اسکے بعد اسی علت اور سبب کی وجہ سے دردسر لوٹ آتا ہے۔ دردسر صفراوی (Billious Head ache) سے بھی پیدا ہوتا ہے اس قسم کے درد کی وجوہات یہ ہوتی ہیں کبھی گرم اور میٹھی چیزیں زیادہ استعمال سے یا موسم کی گرمی کی وجہ سے، صفرا کثرت سے پیدا ہوتا ہے اس کا کچھ حصہ معدہ میں پہنچتا ہے اور تیز بخارات معدہ سے اٹھکر دماغ کی طرف جاتے ہیں جنکی وجہ سے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ دردسر بلغمی (Flagmtic Head ache) کبھی معدہ میں بلغمی بطوبات جمع ہو کر ہاضمہ کو خراب کر دیتے ہیں اور گیاسس اٹھکر دماغ کی طرف جاتے ہیں جن کی وجہ سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ شقیقہ یعنی آدھے سر کا درد (Hemicrania Marain) یہ ایک خاص قسم کا درد ہے جو دوسرے دردوں کے ساتھ ہوتا ہے اکثر سر کے نصف حصہ میں دائیں یا بائیں جانب ہوتا ہے لیکن بعض اوقات سارے سر میں بھی درد ہونے لگتا ہے، لیکن اسکی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ ایک حصہ میں کم ہوتا ہے تو دوسرے میں زیادہ۔ بعض دفعہ اس قسم کے درد کا دورہ طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے پھر وہ رفتہ رفتہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہ کر ختم ہو جاتا ہے۔

سہر، بے خوابی، یعنی نیند نہ آنا (INSOMNIA) آدمی کی تندرستی اور صحت کی بقا کے لئے چھ ضروری اسباب میں سے ایک سونا اور جاگنا بھی ہے بدن انسانی کے قدرتی نظام کے مطابق جب تک سارے افعال پورے ہوتے رہتے ہیں تو تندرستی بحال رہ سکتی ہے اور جب قانون قدرت کے خلاف کسی فعل میں بھی کمی بلیشی ہو جاتی ہے تو یہی بیماری ہے جسطرح انسان کے لئے کھانا پینا، چلنا، پھرنا حرکت سکون وغیرہ یہ سب ضروری ہے، اسی طرح رات اور دن میں چند گھنٹے کے لئے سونا اور آرام کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ قدرت نے رات تاریک اسی لئے بنائی ہے کہ انسان سو جائے اور آرام کرلے اور دن کو اس لئے روشن کیا کہ انسان دن میں کام وکاج کرلے، لہذا ضروری ہے کہ آدمی کو کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ دس گھنٹے آرام کرلے، سونا بھی آدمی کی صحت کے لئے نہایت ضروری اور لازمی ہے، اگر اس میں کسی وجہ سے فرق آجائے تو

Scanned with CamScanner

تندرستی برقرار نہیں رہ سکتی، چنانچہ نیند نہ آنا بھی اپنی جگہ ایک بیماری ہے۔ جس کو سہر کہا جاتا ہے نیند کی مقدار عمر کے لحاظ سے اور مختلف حالتوں میں بھی مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ بچپن میں جسمانی نشو ونما کے لئے بچوں کو زیادہ نیند کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے قانون قدرت کے مطابق شیر خوار بچے رات اور دن میں سولہ گھنٹے سوتے ہیں اور ۴ سالہ بچوں کو رات اور دن میں بارہ گھنٹے نیند کی ضرورت ہوتی ہے بارہ سال سے زیادہ عمر والوں کو دس گھنٹے او جوانوں کو آٹھ یا نو گھنٹے اور بوڑھوں کو چھ یا ساتھ گھنٹے نیند کی ضرورت ہے۔ ان مقداروں کی طرح بہ نسبت عورتوں کے لئے کسی قدر زیادہ نیند کی ضرورت ہے اور وہ مردوں کے مقابلہ زیادہ سوتی ہیں۔

سبات۔ لغاس۔ خواب غفلت یعنی نیند کی زیادتی، غفلت کی نیند (Somolense) یہ بات پہلے بیان کی گئی ہے کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں انسان کو کم از کم چھ گھنٹے سونا نہایت ضروری ہے اسی طرح نیند کی طبعی مقدار دس گھنٹے سے زیادہ ہو جائے تو یہ بھی اپنی ذات سے ایک مرض ہے جس کو سبات کہا جاتا ہے اس مرض کا بیمار خواہ کتنا ہی سوئے لیکن اس سے غنودگی ختم نہیں ہوتی اور اس کا جی کسی طرح اٹھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہر وقت نیند میں مست و مدہوش اور بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے ایسے مریض اور غشی کے مریض میں فرق صرف اتنا ہے کہ غشی کا مریض غشی کی تدابیر کے بغیر صرف جگانے ہی سے بات کر سکتا اور ٹمنودگی والا مریض بات کر لیتا ہے اور سوال کا جواب دے دیتا ہے۔

سدر۔ دوّار۔ دوران سر چکرآنا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا جانا (Giddiness) سدر ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں آدمی کھڑا ہو جانے سے یا معمولی حرکت کرنے سے اسکی آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کھڑا نہیں رکھ سکتا اور کسی چیز کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے یا بیٹھ جاتا ہے یا گر پڑتا ہے دوّار کے معنی گھومنا اور چکرانا ہے یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں آدمی کا ادنی حرکت کے وقت اسکے اِردگرد کی چیزیں متحرک اور چکراتی ہوئی نظر آتی ہیں اور آدمی اپنے آپ کو سنبھالنے پر قادر نہیں ہوتا اور بعض اوقات ایسی حالت میں گر پڑتا ہے۔

نسیان۔ فراموش اور بھول (Dementis) آنکھوں سے جو چیزیں او جھل ہو جائیں ان کی صورتیں یاد نہ آئیں تو یہ دماغ کی قوت حافظہ کا فساد ہے اور تفکر وتدبر کا صحیح نہ رہنا ہے ایسی حالت اور کیفیت کو انسان یا اختلاط ذہن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اطباء کے نزدیک نسیان کوئی مستقل مرض نہیں بلکہ بہت سے امراض کی ایک علامت ہے بعض اطباء اس کو مالیخولیا اور جنون کی اقسام میں سے ایک قسم شمار کیا ہے۔ مالیخولیا۔ وہم۔ وسواس۔ جنون (Melancholia) اس مرض کا مریض انسانیت کا شرف کھو بیٹھتا ہے اور دین و دنیا کے کام کا نہیں رہتا اور عقل سے بے بہرہ اور فہم سے عاری ہو جاتا ہے اس مرض کی شروعات میں علاج ہو سکتا ہے لیکن وہ پرانا ہو جائے تو اس کا علاج مشکل ہے۔

Scanned with CamScanner

صرع مرگی (Epliapsy) یہ ایک بڑی مشہور اور خطرناک بیماری ہے جو دورہ کے ساتھ شروع ہوتی ہے مریض پر جب اس مرض کا دورہ پڑ جاتا ہے تو اس کے آلات حس وحرکت بے نظام ہو جاتے ہیں اور مریض بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑتا ہے اور مضطربانہ حرکت کے ساتھ لوٹنے لگتا ہے اور اس وقت دورہ کی حالت میں مریض کے منہ سے جھاگ نکلتی ہے۔ کابوس یعنی خواب میں ڈرنا (Night Mare) یہ ایک خواب کی حالت ہے جس میں بیمار کو خوفناک اور ڈراونی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی نے اوپر سے گرادیا، یا کوئی سینہ پر چڑھ کر بیٹھا ہے۔

سکتہ یعنی بیہوشی مثل مردہ (Apoplax) یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں مریض کے تمام حواس اور حرکات جسمانی معطل ہو جاتے ہیں اور اس کے تمام اعضاء اپنے فرائض منصبی کو ادا نہیں کر سکتے مثلاً آنکھ دیکھنے سے، کان سننے سے پاؤں حرکت کرنے سے معطل اور بیکار ہو جاتے ہیں اور اس مرض میں دماغ میں سدّہ تامہ پڑ جانے کی وجہ سے روح کی گزر گاہیں بالکل بند ہو جاتی ہیں اس لئے اس مرض کے مبتلا مریض بہت کم بچ پاتے ہیں اور اکثر اوقات ایسے مریض کی موت واقع ہوتی ہے۔

فالج ولقوہ واسترخاء ورعشہ (Paralysis Agitans) فالج اس بیماری کا نام ہے جس میں سر سے لیکر پیر تک جسم کی طولانی اور لمبائی میں بدن کے نصف حصہ میں حس وحرکت معطل ہو جاتی ہے اگر حس وحرکت کے تعطل اور بطلان کا اثر کسی خاص عضو تک محدود ہوتا ہے تو اسے استرخاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جیسے کسی ہاتھ یا پاؤں کا استرخاء یا کمر سے نیچے کے نصف حصہ بدن کا رستہ خاء جیسے ڈاکٹری میں (Paralysts) کہتے ہیں اور اگر سارا بدن معطل اور بیکار ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کو سکات کہتے ہیں بہر صورت اس بیماری میں پٹھوں کے مسامات بند ہو جاتا ہیں جس کی وجہ سے روح نفسانی اعضاء تک نہیں پہنچ سکتی اور حرکت کرنے والی قوت نفسانی کا فعل باطل ہو جاتا ہے اور اگر روح حیاتی بدن سے نکل جائے تو اسی کو موت کہتے ہیں لقوہ کے اسباب بھی تقریباً فالج کے اسباب ہی سے ملتے جلتے ہوتے ہیں لیکن لقوہ اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں منہ ٹیڑھا ہوکر ایک طرف دائیں جانب یا بائیں جانب کو مائل ہو جاتا ہے اور مریض ایک طرف کی آنکھ پورے طور پر بند نہیں کر سکتا۔ نہ منہ کے دونوں لب پوری طرح ملا سکتا ہے رعشہ کسی عضو کے ہلنے اور کانپنے کو کہتے ہیں یہ اکثر ہاتھ یا گردن میں واقع ہوتا ہے

انشاء اللہ المستعان اگلے شمارے میں دردسر کی اقسام کا علاج اور ان کی دوائیں اور پرہیز اور احتیاط سے متعلق گفتگو ہوگی۔

Scanned with CamScanner

خانوادۂ حضرت قطب ویلور کی ایک پارسا مثالی خاتون

مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی
یم اے پی ایچ ڈی
استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

جنوبی ہند کا ایک قدیم تاریخی شہر بیجا پور ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں یہاں سیاسی بدامنی اور معاشی بحران پیدا ہوا تو وہاں سے سادات کرام، مشائخ عظام اور حضرات علماء و اھل اللہ کی ایک بڑی تعداد ہجرت کی اور مختلف شہروں پر پھیل گئی۔ ان ہی میں سے ایک نجیب الطرفین بزرگ خاندان نبوت کے چشم و چراغ قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ عبدالطیف قادری بیجاپوری بھی ہیں۔ آپ ۱۱۲۲ھ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیجاپور سے نکل کھڑے ہوئے اور مختلف شہروں سے گزرتے ہوئے ۱۱۳۸ھ کو ویلور دارلسرور آپہنچے اور قلعہ ویلور کے وسیع وعریض میدان میں فروکش ہوئے آپ کی ذات گرامی سے یہاں ایک خانوادہ کی بنیاد پڑی، آپ جس جگہ پر اقامت گزیں ہوئے وہ آج بھی ویلور میں حضرت مکان کے نام سے موسوم اور مشہور رہے اور یہ خاندان ہجری سال رواں میں اپنی عمر کی تین سو دوریں بہار (۱۱۳۸-۱۴۴۰) سے لطف ہو رہا ہے اور آج بھی آپ کی نسل حضرت مکان میں ہے۔ یہاں پر آپ کی اولادیں سات پشتیں چلیں اور ساتویں پشت میں آپ کی نرینہ اولاد چار رہی (۱) حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری (المتوفی ۱۳۷۸ھ) (۲) حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری (المتوفی 1994 ۱۴۱۵ھ) (۳) حضرت مولانا ابو صالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف میراں پاشاہ صاحب (المتوفی ۱۴۰۴ھ) (۴) حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری (المتوفی 1986ء)

اول الذکر تین برادران کرام لاولد رہے چوتھے بھائی حضرت سید شاہ طاہر قادری کو دو لڑکے اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں دونوں لڑکے عہد طفولیت ہی میں انتقال کر گئے۔ بڑی صاحبزادی علی جناب ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشاہ حیدرآبادی سے، اور دوسری صاحب زادی عالی جناب سید شاہ ہلال احمد شطاری بنگلوری سے بیاہی گئیں۔ بڑی صاحب زادی زوجہء حضرت عثمان دنیا سے چل بسی اور دوسری صاحب زادی کے شوہر حضرت ہلال سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، حضرت سید شاہ طاہر قادری کی ان دو صاحبزادیوں سے حضرت عبدالطیف بیجاپوری کی آل کا سلسلہ شروع ہو گیا اور صلیبی اولاد کا سلسلہ منتہی ہو گیا۔

اس تاریخ ساز دودمان عالی شان کے تین سو سالہ سنہری دور میں جتنے بزرگان کرام پیدا ہوئے ہیں۔ وہ سب کے سب

Scanned with CamScanner

علم وفن اور فضل وہنر، زہد وتقویٰ اور سیرت واخلاق میں ممتاز اور منفرد رہے ہیں۔اسی طرح اس خانوادہ کی خواتین بھی دین داری وپرہیز گاری، خوش اخلاقی اور کریمانہ عادات اور شریفانہ اطوار میں اپنی مثال رہی ہیں، حضرت عبداللطیف بیجاپوری کی اولاد امجاد میں صلبی اور آخری سجادہ نشینی شیخ المشائخ اعلحضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری کی سجادگی کا اور سابق سجادانی کرام میں سب سے زیادہ طویل رہا۔چنانچہ آپ اپنے برادر حقیقی اعلیٰ حضرت ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری کے پردہ فرمانے کے بعد ۳۷ سال تک رشد وھدایت اور اصلاح وتربیت سے منسلک رہے خانقاہی عادات اور خاندانی روایات کے محافظ اور امین رہے ۱۲ نومبر 1994 مطابق ۱۴۱۵ھ ۲۱ جمادی الاخر روز شنبہ صبح ساڑھے چھ بجے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے ۔درگاہ شریف کے اندر حضرت قربی اور حضرت ذوقی کے درمیان محمود خواب ہیں باقری کے بعد منصب سجادگی حضرت عبداللطیف بیجاپوری کی آل میں منتقل ہو چلا۔اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر بہت سارے لوگوں نے بیعت کی، جن میں حضرات علماء کی خاص تعداد رہی، الحمدللہ اس تعداد میں راقم الحروف بھی شامل ہے ۹ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ یوم عرفہ اعلیٰ حضرت نے خانقاہ شریف میں دارالعلوم لطیفیہ کے اساتذہ کرام اور علماء خواص کی موجودگی میں اس عاجز کو خرقہ خلافت پہنایا اور سر پر دستار باندھی اور سند مصافحہ سے سرفراز فرمایا، اس مصافحہ کی فضلیت وبرکت یہ ہے، اعلیٰ حضرت سے جو مصافحہ ہوا وہ سلسلہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اقدس پر منتہی ہوتا ہے جسکی وضاحت سند میں ہے۔اعلیٰ حضرت علم دوست اور ادب نواز شخصیت کے مالک تھے آپ کی خدمت میں مختلف درسگاہوں کے اساتذہ کرام اور مختلف مکاتیب فکر کے علماء وفضلا اور ملی ورفاہی تنظیموں کے سربراہ ،ملک وبیرون ملک کی مقتدر شخصیتوں کی آمد رہتی تھی اور آپ ہر آنے والے شخص کے ساتھ انتہائی محبت والفت اور اکرام واعزاز سے پیش آتے تھے اور بڑی خوشی ومسرت کے ساتھ ان کے کھانے پینے کا نظم ونسق فرماتے تھے۔مہمانوں کی خدمت کو حد درجہ محبوب رکھتے تھے اور فرماتے تھے مہمان اپنے ساتھ دو چیزیں لے آتا ہے ایک قسمت دوسری برکت، قسمت شکم سیر ہو جاتا ہے اور میزبانی کے لئے برکت چھوڑ جاتا ہے، مہمان کے قدم سے ہمارے رزق میں وسعت اور برکت ہوتی ہے آپ کا سفرہ عام تھا، جو بھی یہاں آتا وہ اس سے سیراب ہوتا تھا۔ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔

راقم الحروف سے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا سید شاہ صبغتہ اللہ بختاری سابق استاذ مدرسہ باقیات صالحات ویلور فرمایا کرتے تھے، عزیزم میں نے ہندوستان کی اکثر وبیشتر درسگاہوں اور خانقاہوں کی زیارت کی ہے، لیکن خانقاہ حضرت قطب ویلور اور دارالعلوم لطیفیہ میں جس طرح سے خوش خلقی، خوش طبعی، وسعت ذھنی، اعلیٰ ظرفی رواداری اور مہمان نوازی دیکھی ہے ایسی مثال خال خال ہی میں مل سکتی ہے۔یہی ایک ایسی خانقاہ ہے جہاں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پی سکتے ہیں۔اعلیٰ حضرت کی زندگی میں عزم وارادہ، تدبیر تفکر سعی وکوشش پامردی ثابت قدمی، اور اخلاقی جرأت صاف گوئی و حق گوئی اور حسن سلوک کے جلوے بکھرے نظر آتے ہیں۔والد ماجد کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف دس سال تھی، ہوش سنبھالتے ہی زراعت اور زمینات اور سارے امور کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور تادم زیست سارے کام خود ہی انجام دیتے

Scanned with CamScanner

رہے،سجادہ نشینی نے آپ کو گوشہ نشین نہیں بنایا بلکہ امور سجادگی کے ساتھ زندگی کے بیشتر اوقات کو حرکت و عمل سے مربوط رکھا ،بذات خود کھیتوں اور باغات تشریف لے جاتے تھے اور ان سے متعلق سارے کام انجام دیتے تھے،آپ نے اپنے آباواجداد کی زمینات کی حفاظت فرمائی اور کئی ایک دوکانیں اور مکانات تعمیر فرمایا تا کہ اسکے ذریعہ دارالعلوم اور خانقاہ خود کفیل رہیں۔آپ کی سیرت سوانح کا یہ پہلو بھی قابل ذکر اور لائق تسلیم کرتی ہے کے باوجود فقیرانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ،رہنے سہنے کے لئے مکان معمولی،لباس معمولی،غذا سادی اور سواری معمولی گھوڑا تھا،زندگی میں کسی جہت اور کسی پہلو سے بھی امیرانہ شان وشوکت اور خرچ میں اسراف وتبزیر کی معمولی سی جھلک نہ تھی اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے،یہ سب ہمارے بزرگوں کی امانت ہے،ہم اپنی ذات پر من مانی طریقہ سے خرچ نہیں کرسکتے ہمیں اپنے بزرگوں کو منہ دکھانا ہے۔

اس قدر سادگی کے باوجود چہرہ پر رعب وجلال اور وقار وتمکین کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص آپ سے آنکھ میں آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا تھا، جو بھی آپ کے حجرہ میں پہنچتا تو پہلے سر پر ٹوپی اگر ٹوپی نہ تو دستی سے سر ڈھانپ کر حاضر ہوتا تھا۔آپ کے اندر معاملات کی صفائی،صاف گوئی اور وعدہ وفائی بدرجہ اتم موجود تھی اور کسی کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی کہ آپ کی باتوں اور فیصلوں کو رد کرے۔آپ جو بات کہہ دیتے اور فیصلہ فرماتے اس پر قائم رہتے تھے،کبھی آپ نے اپنی زبان سے کسی شخص کی غیبت اور برائی بیان نہیں کی،اگر کوئی آدمی آپ کے سامنے کسی شخص کے عیوب بیان کرنے لگتا تو اپنے لطیف پیرایہ بیان سے اسکی گفتگو کا رخ موڑ دیتے تھے،اس پہلو سے بھی وہ اپنی گفتگو جاری رکھتا تو صاف منع کر دیتے تھے۔ ہر کسی کا ذکر صرف خیر وخوبی اور نیکی کے ساتھ کیا کرتے تھے،آپ کے یہ وہ کریمانہ اخلاق اور شریفانہ اطوار تھے کہ جن کا مشاہدہ خلق کثیر نے کیا ہے اور آج بھی ایک جہاں آپ کے حسن اخلاق اور جمیل عادات اور حسین اطوار کا معترف ہے۔

الغرض سیاق میں اعلیٰ حضرت کی سیرت وسوانح کی ایک خفیف سی جھلک نمایاں کرنے کی غرض وغایت یہ رہی کہ زیر مضمون کا تعلق جس بزرگ پارسا خاتون سے ہے،وہ آپ کی شریک حیات تھیں اور اس پہلو کو بھی واضح کرنا مقصود ہے کہ جس طرح اعلیٰ نے اپنی ساری زندگی کو حرکت وعمل سے رابطہ رکھا اور جس حکیمانہ اور حاکمانہ منہاج اور مزاج کے ساتھ سارے امور ومعاملات اور حالات پر اپنی گرفت مضبوط رکھی اور جس طرح سے خانقاہ اور مدرسہ کی خدمت کو عبادت اور امانت کا درجہ دیا،آپ کی شریک حیات کی بھی یہی راہ اور روش خانگی امور اور معاملات میں رہی ،اعلیٰ حضرت کی خدمت کا رخ بیرونی خانہ رہا تو آپ کی اہلیہ محترمہ کی خدمات کا رخ درون خانہ رہا۔

حضرت پیرانی بی صاحبہ اپنے وقت کی ایک زاہدہ وعابدہ اور پردہ نشین وخانہ نشین خاتون رہی ہیں اور ان کی زندگی غیروں کے سامنے عیاں نہ تھی پوری طرح نہاں یہی وہ پہلو ہے،جس کے باعث راقم الحروف نے ان کی سیرت وسوانح کے کسی بھی رخ کو حوالہ قلم کرنے میں محدود اور محتاط رویہ اپنایا ہوا ہے۔لہذا اس جہت سے جو بھی میری یہ نگارشات ہیں وہ شجاعت سمعی کا درجہ رکھتی ہیں۔راقم الحروف کا اولین رابطہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور سے ایک طالب علم کی حیثیت

سے 1968ء میں ہوا یہی وہ سال تھا جس میں وہ اپنے آبائی اور پیدائش شہر ادھونی سے ویلور آپہنچا، اور اسکی تعلیمی میعاد 1979ء میں مکمل ہوئی اور وہ اس سال منصب تدریس پر فائز ہوا، الحمد للہ ہنوز یہ سلسلہ درس وتدریس جاری وساری ہے ۱۴۰۵ھ میں بیعت وخلافت کی جہت سے اسکی زندگی کا روحانی رابطہ خانقاہ سے استوار رہا۔ دارالعلوم لطیفیہ کے علمی ماحول اور خانقاہ کی روحانی فضا میں اسکی زندگی کے پچاس (1968 - 2018) سال مکمل ہوئے اس پچاس سالہ دور میں اس خاندان میں پیش آنے والی خوشی کی تقریبات غم کے واقعات دارالعلوم لطیفیہ کے تعلیمی وتدریسی حالات اور ان میں نشیب وفراز اور خانقاہ کے روحانی احوال کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا، لیکن اس وقت روئے قلبی صرف حضرت پیرانی بی صاحبہ کی طرف ہے۔ حضرت پیرانی بی صاحبہ ایک فرض شناس ذمہ دار اور مخلص ودین دار خاتون تھیں، راقم الحروف کے زمانہء طالب علمی میں ان کے تعلق سے یہ باتیں کانوں میں پہنچتی تھیں کہ آپ مدرسہ کے طلباء کو بہت محبوب اور عزیز رکھتی تھیں، کوئی طالب علم بیمار ہوجاتا تو اسکی صحت کا خاص خیال رکھتی تھیں اور اسکے صحت مند ہونے تک گھر سے اسکے کھانے پینے میں پرہیز کی چیزیں روانہ کرتی تھیں، ماہ شعبان سے طلباء کی تعطیلات شروع ہوجاتی تو وہ غمگین رہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارے طلباء دوماہ کے بعد آئیں گے، جب تک سناٹا چھایا رہیگا اور ان کے تعلق سے ہمارے لئے کوئی کام کاج نہیں رہیگا، ماہ شوال میں طلباء کی آمد شروع ہوجاتی تو بہت مسرور ہوجاتی تھیں، جیسے ان کے عزیز واقاریب ان کے گھر پہنچ رہے ہیں۔

اساتذہ کرام کے تعلق سے بھی ان کی بڑی خدمات رہی ہیں، دارالعلوم لطیفیہ میں ایک ایسا دور بھی رہا جسکی مثال شاید ہی دین درسگاہوں میں مل سکے، یہ وہ دور تھا جس میں ایک عرصہ دراز تک اساتذہ کرام کو تینوں وقت اعلیٰ حضرت کے مکان سے کھانے کا انتظام تھا جو ایک متعین وقت پر ایک مقرر خادم کے ذریعہ توشہ دان انکے کمروں تک پہنچتا تھا اور جو اساتذہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ دارالعلوم کے اندرونی احاطہ میں مقیم تھے ان کا کھانا ان کے بال بچوں سمیت تینوں وقت ان کے گھروں تک پہنچتا تھا، اور اگر ان اساتذہ کے گھروں میں ان کے رشتہ دار آپہنچتے تو ان سب کے لئے بھی کھانا پہنچتا تھا، اور جب بھی اعلیٰ حضرت کے مکان میں مہمان اور رشتہ دار وارد ہوتے تو ان کی مہمان نوازی میں خصوصی پکوانوں کا اہتمام رہتا تھا، ان مواقع میں یہی خصوصی کھانا تمام اساتذہ کرام کے گھروں میں پہنچایا جاتا تھا اساتذہ کے کھانوں اور آنے والے مہمانوں اور رشتہ داروں کے لئے کھانوں کے نظم ونسق اور انتخاب وغیرہ سارے امور حضرت پیرانی صاحبہ کے تحویل اور تصویر حسنیٰ سے تھے اور بذات خود وہی نگرانی کیا کرتی تھیں، اور قابل ذکر بات تو یہ رہی تھی کہ ان کے مکان میں غم کے موقع پر بھی اساتذہ کے گھروں کو وقت مقررہ پر کھانا پہنچتا تھا۔ ان پر آنے والی مصیبت میں بھی چولھا برابر سلگتا اور سب طلباء اور اساتذہ اور باہر سے آنے والوں کے لئے بھی کھانے کا بندوبست رہتا تھا، یہ حضرت پیرانی بی صاحبہ کے صبر وضبط اور ان کی فرض شناسی اور خدمت گزاری کی ایک روشن مثال تھی۔

مسافروں مہمانوں اور ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے کا مزاج اس خانواہ کی ساری عورتوں میں موجود رہا ہے،

Scanned with CamScanner

مہمان جب بھی اور جس وقت بھی آپہنچے تو اسکے لئے دستر خوان بچھا دیا جاتا تھا1969ء میں حضرت قطبِ ویلور کے وصال پر ایک سو سال مکمل ہوئے تو اس مناسبت سے اللطیف کا خصوصی شمارہ بیادگار حضرت قطبِ ویلور شائع ہوا، جس میں سابقہ ناظم حضرت مولانا ابوالحسن سید شاہ محمد طاہر قادری نے مہمان نوازی کے عنوان پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے جسمیں انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔حضرت قطبِ ویلور اپنے فرزند حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری کو اپنے ساتھ لئے ہوئے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے ۱۲۸۹ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں امام حسنؑ کے پاس مدفن ہوئے۔اس وقت حضرت مکان میں کوئی ذمہ دار خاتون نہیں تھی، قندھار سے ایک عالم وفاضل سیدزادے رات کے وقت ویلور حضرت مکان میں آپہنچے اور مسجد میں ٹھہر گئے، یہ وہ زمانہ تھا جس میں شہر کی آبادی نہایت قلیل تھی اور شام ہوتے ہی شہر میں سکوت وخموش پھیل جاتی تھی اور ہر طرف اندھیری اور ویرانی چھا جاتی تھی۔قندھاری صاحب کی آمد کی خبر کسی کو نہیں ہوئی اور بھوکے مسجد میں سو گئے۔اس شب خادمہ کے خواب میں حضرت قطب ویلور تشریف لائے اور اپنے خادمہ سے فرمایا ہمارے گھر ایک مسافر مہمان آئے ہوئے ہیں اور اس کی خبر نہیں ہوئی، خادمہ نیند سے بیدار ہوئی اور اُسی وقت کھانا تیار کیا، رات کافی ہو چکی تھی وہ صبح کی منتظر رہی، جوں ہی اس نے صبح کی اذان سنی کھانا لئے ہوئے گھر سے باہر آگئی۔اور مہمان مسافر کی شناخت کر لی اور ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔قندھاری صاحب ایسے وقت میں کھانا دیکھ کر حیران رہ گئے اور اس سے کھانا لانے کی وجہ پوچھی، تو خادمہ نے عرض کیا، رات میرے خواب میں حضرت قطب ویلور تشریف لائے ،اور آپ کے بھوکے سوجانے کی خبر دی، قندھاری صاحب اس واقعہ سے نہایت متاثر ہوئے اور تناول طعام کیا۔

الغرض مہمان نوازی اور مہمان کی خدمت حضرت پیرانی بی صاحبہ کی وراثت میں ملی تھی ،اور آپ ہمیشہ مہمانوں کی خدمت میں پورے خلوص واہلیت وجذبہ شوق کے ساتھ مصروف رہا کرتی تھیں۔راقم الحروف کو بھی ان کی مہمان نوازی کا کئی مرتبہ مشاہدہ ہوا جسکی صورت یہ نمودار ہوتی تھی کہ یہ عاجز مسجد حضرت علی سلطان چشتی گاندھی روڈ میں قریباً چار دہوں سے امامت اور خطابت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔اس مسجد کے بغل میں ایشیاء کی معروف ومقبول سی یم سی ہسپتا واقع ہے جس میں علاج کے لئے ملک اور بیرون ملک سے مریضوں اور ان کے تیمار دانوں کی آمد کا سلسلہ ہمیشہ جاری وساری رہتا ہے اور ملک کے مختلف صوبوں علاقوں سے ویلور آنے والے لوگ بعض خانوادہ حضرت قطب ویلور اور دار العلوم لطیفیہ سے تعارف رہتے ہیں، اور یہاں حاضری کو اپنے لئے سعادت تصور کرتے ہیں اور یہ لوگ میری وساطت سے یہاں پہنچتے ہیں۔اعلیٰ حضرت اور آپ کے برادران محترم حضرت میران پاشاہ صاحب اور حضرت پیر صاحب ناظم مدرسہ آنے والے لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور خوش طبعی سے پیش آتے اور ان کی خدمت میں اپنے بزرگوں کی فارسی تصانیف کے اردو تراجم اور سالنامہ اللطیف بطور تحفہ پیش کرتے اور ملاقاتیوں کو کھانے پر مدعو کرتے ،ان حضرات کرام کے خلوص واسرار کو دیکھتے ہوئے ملنے والے افراد دعوت قبول کر لیتے ،اسطرح حضرت مکان میں سی یم سی سے آنے والے لوگوں کی دعوت کا

Scanned with CamScanner

ایک سلسلہ جاری رہتا۔عموماً راقم الحروف کو بھی ان دعوتوں میں شریک رہنا ہوتا تھا۔اور یہ کھلانے پلانے اور نوع بہ نوع کھانے تیار کروانے میں کلیدی کردار اور محبت جانفشانی حضرت پیرانی بی صاحبہ کی رہتی تھی۔

اس خانوادہ میں بعض عادتیں اور طریقے ایسے رائج ہیں جن کے اندر ایک خاص مشرقی اور قدیم روایتی اسلامی کلچر نظر آتا ہے مختلف مقامات سے عورتیں اور چھوٹے بچے بچیاں دروں خانہ پہنچتی ہیں تو حضرت پیرانی بی صاحبہ سے سلام عرض کرتی ہوئی قدم بوسی کرتی ہیں اور موصوفہ اپنی دعاؤں سے نوازتی۔ دارالعلوم لطیفیہ میں بھی ایسا ماحول میری طالب علمی اور مدرسی کے زمانے میں زمانہ دراز تک جاری رہا، طلباء سفر سے آتے ہی اعلیٰ حضرت اور آپ کے دونوں برادران کرام سے مصافحہ اور قدم بوسی کرتے اور اپنے وطن جاتے وقت بھی مصافحہ اور قدم بوسی کرتے اور یہ حضرات کرام اپنی دعاؤں سے نوازتے اور اس وقت ان کی زبانوں سے یہ جملہ صادر ہوتا۔ اللہ تمہارا حافظ وناصر ہے۔

اس خانوادہ میں اور بھی آداب اور طریقہ پائے جاتے ہیں جن کے اندر ایک مخصوص اسلامی معاشرت اور ایک خاص خانگی کلچر دکھائی دیتا ہے بڑوں کی تعظیم وتکریم کی جہت سے قیام مصافحہ معانقہ دست بوسی اور قدم بوسی جیسے آداب کی بجا آوری کا طور طریقہ بچوں کے ساتھ ان بزرگوں کا اظہار محبت والفت اور ان کے حق میں دعاؤں کا منظر نہایت افزا اور دلفریب رہتا ہے۔ حضرت پیرانی بی صاحبہ اور دیگر بزرگ خواتین کی مجلسوں اور ان کی صحبتوں کے آداب واطوار وطریقوں کی شان وکیفیت بھی یہی رہتی ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان گھرانوں کے اندر اس طرز کے آداب اور اطوار جواز اور عدم جواز کی بحث کی نظر ہیں اور وہ ماضی کے خانہ میں داخل ہورہے ہیں اور نئی نسل ایسے آداب اور بزرگوں کی صحبتوں اور ان کے مفید اثرات سے دور ہوتی چلی جارہی ہے۔

الغرض حضرت پیرانی بی صاحبہ اپنے خاندان کی قدیم روایات اور حکایات کی پاس دار اور عامل رہیں اور اپنے ذمہ عائد خانگی اور خانقاہی امور کی انجام دہی میں زندگی بھر مصروف عمل رہیں، یہاں تک کہ ۱۶ جمادی الاخر ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۶ فروری ۲۰۱۹ء روز جمعہ صبح کے ساڑھے چھ بجے دارفانی سے منہ پھیرلیں۔ دوسرے روز بعد نماز ظہر حضرت مولانا ڈاکٹر سید شاہ عثمان قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے اپنی علالت کے باعث کرسی پر بیٹھ کر مرحومہ کی نماز جنازہ ادا کی، حضرت مکان کے اندرونی میدان واقع خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، حضرت پیرانی بی صاحبہ کی دنیاوی زندگی کی آخری منزل اور اخروی زندگی کی پہلی منزل پر راقم الحروف کو مرحومہ کی ایک آخری خدمت کا یہ موقعہ حاصل رہا کہ اس نے قبر کے پاس تلقین پڑھی اور دعا کی۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

حضرت شیخ دکن رحؒ کا فیضان سلاطین دکن پر

از: مولانا حافظ وقاری محمد فخرالدین
خطیب وامام مسجد بارگاہِ حضرت شیخ دکنؒ (گلبرگہ شریف۔کرناٹک)۔
موبائل نمبر08105983786

یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر ملک ہندو پاک میں تبلیغ دین واشاعت اسلام کا مبارک وعظیم فریضہ اولیائے کاملین و صوفیائے واصلین ہی کے ذریعہ انجام پایا۔ان نفوسِ قدسیہ نے اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کشف وکرامات رشدوہدایات اور روحانی تصرفات کے ذریعہ کفروشرک کی تاریکیوں میں گھرے بندگان خدا کے قلوب واذہان کو نور ایمان واسلام سے منور فرما کر انہیں صراط مستقیم پر گامزن فرمایا اولیائے کاملین نے بندگان خدا کو نہ صرف دولت ایمان واسلام سے مشرف فرمایا بلکہ انہیں سلطنت واقتدار بھی عطا کیا۔تاریخ ہند اس حقیقت کبریٰ پر بھی شاہد وعادل ہے کہ ملک ہند پر مسلم سلاطین ہند نے مجموعی اعتبار سے ایک ہزار سالہ طویل مدت تک حکمرانی کی،ملک کے طول وعرض میں انہیں شاندار فتوحات حاصل ہوئیں مسلم سلاطین ہند کو جو شاندار فتوحات حاصل ہوئیں یہ صرف اور صرف انہی تاجدارانِ روحانیت کے تصرف روحانی کا فیضان تھا۔اسی لئے جملہ مسلم سلاطین ہند کسی نہ کسی اہل اللہ سے ضرور وابستہ رہے۔علاقہ دکن میں جن عظیم المرتبت جلیل القدر بزرگان دین نے تبلیغ دین واشاعت اسلام کا عظیم ترین فریضہ انجام دیا۔ان میں مرکزی وبنیادی کردار سلطان دکن قطب الاقطاب غوث الاسلام شیخ دکن حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی بغدادیؒ کا ہے جنہوں نے اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کشف وکرامات رشدو ہدایات کے ذریعہ ارضِ دکن کے خطے خطے کو نور اسلام سے منور فرما کر گہوارہ امن بنادیا سرزمین دکن پر حضرت شیخ دکنؒ کا ورودِ مسعود کوئی سادہ واقعہ نہیں بلکہ ایک عہد ساز عہد آفرین انقلاب انگیز تاریخ ساز دور کا آغاز ہے۔تاریخ دکن میں ایک عظیم ترین سنہری باب کا اضافہ ہے۔ سلطان الہند خواجہ غریبؒ کی آمد مبارک کے بعد ملکِ ہندوستان میں جس طرح کا تاریخ ساز اسلامی وروحانی انقلاب پیدا ہوا تھا۔ٹھیک اسی طرح کا تاریخ ساز اسلامی وروحانی انقلاب علاقے دکن میں حضرت شیخ دکنؒ کی آمد مبارک کے بعد پیدا ہوا تاریخ داں طبقہ پر یہ تاریخی حقائق آفتاب روشن سے زیادہ واضح ہیکہ سلطان ہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کی عظیم المرتب شخصیت جلیل القدر ذات اقدس کے ذریعہ ہی ہندوستان میں دین اسلام کو غیر معمولی غلبہ ترقی وبلندی حاصل ہوئی اور آپ ہی کے تصرفِ روحانی کے بدولت مسلمانوں کو تخت وتاج سلطنت واقتدار عطا ہوا اور آپ کے ہی فیضان کرم کے صدقے مسلمانوں کو شان وشوکت سکون وراحت وقار وعزت بھری زندگی نصیب ہوئی مسلمان ایک ہزار سالہ طویل مدت تک تخت وتاج سلطنت واقتدار کے مالک بنے رہے اسی طرح تاریخ دکن اس حقیقت کبریٰ پر بھی شاہد وعادل ہیکہ علاقہ دکن میں دینِ اسلام کو حضرت شیخ دکن کی عظیم المرتبت شخصیت اور جلیل القدر ذاتِ اقدس کے ذریعے غیر معمولی غلبہ ترقی وبلندی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کو تخت وتاج سلطنت واقتدار عطا ہوا حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ کی تاریخ ساز شخصیت کو تاریخ کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو تاریخی حقائق سے یہ مسلمہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی صوفیائے دکن میں کئی اعتبار سے ممتاز ومنفرد معلوم ہوتی ہے حضرت شیخ دکن کی تاریخ ساز شخصیت تاریخ ساز خدمات وروحانی تصرفات اور فریضہ تبلیغ دین واشاعت اسلام کے حوالے سے سارے صوفیائے دکن میں شانِ مرکزیت رکھتی ہے اسی لئے آپکے عہد کے سارے اولیائے وسلاطین نے آپکی بارگاہ

Scanned with CamScanner

میں خراج تحسین اور خراج عقیدت ومحبت پیش کیا ہے یوسف عادل شاہ بانی سلطنت عادل شاہی کو حضرت شیخ دکن کے نبیرہ وسجادہ حضرت شیخ اویس خوند میر جنیدی علیہ الرحمۃ کے فیضان کرم سے سلطنت واقتدار حاصل ہوا تو اس نے بطور یادگار حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ کے مرقد انور پر عالیشان گنبد اور آپکے بارگاہ کیلئے عالیشان باب الداخلہ (بلند مینار) تعمیر کرائے اور حضرت شیخ دکن کی بارگاہ میں آپکی شانِ مرکزیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس شعر کے ذریعے خراج تحسین پیش کیا ہے مرجع اہل اسلام صاحبِ نگین وتاج قطب دوراں ابن محمد سراج اس شعر کے ذریعے جہاں حضرت شیخ دکن کی شانِ مرکزیت کا اظہار ہوتا ہے وہی پر ابجد کے لحاظ سے کُل مصرع سے حضرت شیخ دکن کا سالِ وصال 781ھ اور لفظ قطب سے سن شریف 111 اور دوراں ابن محمد سراج سے سال ولادت 617ھ برآمد ہوتا ہے حضرت شیخ دکن کے فیضان کرم سے جہاں سلاطین دکن مالا مال ہیں وہی صوفیائے دکن نے بھی آپکی جلیل القدر ذات اقدس اور عظیم المرتبت شخصیت سے اکتساب فیض فرمایا ہے قدیم ترین کئی تاریخی کتب میں مورخین اس مسلمہ حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ کے عہد اور علاقہ کے تمام صوفیاء واولیاء نے آپ سے اکتساب فیض فرمایا اور اپنے جائے قیام کے متعلق آپ ہی سے دریافت فرمایا آپ نے جس کی مقام کی نشاندہی فرمائی وہی پر صوفیاء واولیاء نے سکونت اختیار کی اور اسی علاقہ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔

علاقہ دکن میں آپکے ہی تصرفِ روحانی سے علاقہ دکن کی سب سے پہلی اسلامی اور وسیع وخود مختار سلطنت قائم ہوئی اور مسلمانوں کو مجموعی طور پر علاقہ دکن میں ۴سو سالہ طویل عرصہ سلطنت واقتدار حاصل ہوا حضرت شیخ دکن کے فیضان کرم سے بانی سلطنتِ بہمنی علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی سے لیکر شاہ کلیم اللہ بہمنی تک 18 سلاطین بہمنیہ نے 180 سالہ طویل عرصہ حکمرانی کی بہمنیوں کا تخت وتاج سلطنت واقتدار حضرت شیخ دکن کے دم قدم اور فیضان کرم سے قائم تھا اور حضرت شیخ دکن نے بہمنیوں کی سلطنت کو اپنے تصرف روحانی کے ذریعے استحکام بخشا تھا 3 سلاطین بہمنیہ حسن گنگو بہمنی، محمد شاہ بہمنی اور مجاہد شاہ بہمنی کی تاج پوشی حضرت شیخ دکن کے دستِ ولایت سے ہی عمل میں آئی اور آپکے خصوصی فیضان کرم کی وجہ سے سلطنت بہمنیہ علاقہ دکن میں تہذیب وتمدن علم وادب کی آمین ثابت ہوئی اور علاقہ دکن امن وامان کا گہوارہ بن گیا سلاطین بہمنیہ رعایا پرور، رحم دل اور فیاض تھے ان کا دربار ہمیشہ عرب وایران اور ترکی کے باکمال علماء وفضلاء شعراء وادباء سے بھرا رہتا بہمنی دورِ سلطنت میں عظیم الشان مساجد، مقابر، مینار، مسافر خانے، دواخانے اور عیدگاہوں کی تعمیر ایران اور ترکی کے ماہرین فنِ تعمیر کی نگرانی میں اسلامی طرز تعمیر کے مطابق انجام پائی بہمنی دور اقتدار میں مسلمانوں کے لئے سب سے روشن وتابناک دور رہا جسمیں مسلمانوں کو شان وشوکت وقار وعزت، سکون وراحت، جاہ وحشمت بھری زندگی نصیب ہوئی جب بہمنی سلطنت 1450ء مطابق 894ھ میں اندرونی خلفشار کی وجہ سے زوال پذیر ہوئی تو پانچ نئی سلطنتیں وجود میں آئیں جو پہلے بہمنی سلطنت کا ہی حصہ ہوا کرتی تھی پانچوں سلطنت کے بانیان بہمنی سلطنت کے ہی سپاہ سالار یا صوبے دار ہوا کرتے تھے جنہوں نے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خود مختار کا اعلان کر کے اپنی الگ الگ سلطنتیں قائم کر لی بہمنی سلطنت بعد میں معرض وجود میں آنے والی پانچ نئی سلطنتوں کیلئے ایک بہترین نمونہ اور زبردست رہنما ثابت ہوئی جن میں یوسف عادل شاہ نے 895ھ میں بیجاپور میں سلطنتِ عادل شاہی قائم کر لی تقریباً 9 سلاطین عادل شاہی نے 196 سال حکومت کی اسی طرح سلطان قلی نے 907ھ میں سلطنت قطب شاہی قائم کر لی سلاطین قطب شاہی نے لگ بھگ 200 سال سلطنت واقتدار کو سنبھالا اور سلطنت عادل وقطب شاہی نے گرانقدر اور تاریخ ساز خدمات کے ذریعے دنیا میں اپنی سلطنت کا نام روشن کیا اور اپنی منفرد شناخت بنائی ان دونوں سلطنت کے دور اقتدار میں بہت سے رفاہی وفلاحی، معاشی واقتصادی، سیاسی وسماجی، علمی وادبی کارہائے خیر انجام پائے ان دونوں سلطنتوں نے علم وادب کی خوب خدمت کی ذریعے علاقہ دکن کے علاوہ حجاز وعرب کے کئی علاقوں کے باشندوں کو فائدہ پہنچا۔ بیدر میں قاسم

Scanned with CamScanner

برید نے برید شاہی سلطنت قائم کی جہاں اس کا خاندان ایک عرصے تک حکومت کرتا رہا احمد نگر میں نظام الملک کے بیٹے احمد نے سلطنت نظام شاہی کی بنیاد رکھی۔

حضرت شیخ دکن کی آمد مبارک کے بعد علاقہ دکن میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بڑی تیزی و کامیابی کے ساتھ بحسن وخوبی انجام پانے لگا۔ آپ کی سادگی وخوش خلقی ہمدردی وملنساری سے بندگان خدا متاثر ہو کر آپ کے دستِ ولایت پر اسلام قبول کرنے لگے۔ آپ کی سادہ و پاکیزہ اور پرکشش شخصیت کو جو بھی دیکھتا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، کافر ومشرک ایمان لے آتا اور رہزن رہنما بنتا فاسق تائب ہو کر لوٹتا غرض یہ کے حضرت شیخ دکن کی ذات پر انوار ہر ایک کیلئے مینارہ نور تھی۔ جس کی روشنی ہر ایک کو منور کرتی تھی۔ شیخ دکن حضرت شیخ محمد سراج الدین جنیدی کی ولادتِ باسعادت 670ھ میں شہر پشاور میں ہوئی۔ آپ کا نسبی تعلق سید الطائفہ ابوالقاسم خواجہ جنیدی بغدادیؒ سے ہے۔ ۱۱ (گیارہ) واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت جنیدی بغدادیؒ اور 22 رواسطوں سے مسلم بن عبد مناف جد محترم حضرت رسول کریم ﷺ کو جاملتا ہے۔ حضرت شیخ دکنؒ کے پدر بزرگوار ابوالمظفر حضرت شیخ سراج الدین جنیدیؒ اپنے وطن بغداد سے تبلیغ اسلام کی غرض سے ہجرت فرما کر پشاور کو اپنے قدومِ میمونت سے رونق بخشا وہاں آپ کا عقد مسنون سلطان عبد اللہ پشاوری کی شہزادی سعادت شعار حضرتہ بی بی مسطورہ سے انجام پایا۔ اللہ پاک نے آپ کو اُن خاتون مطہرہ سے چار فرزندانِ سعادت اطوار عطا فرمائے۔ حضرت شیخ رکن الدین معروف بہ شیخ محمد سراج الدین جنیدیؒ کے برادران ذوالاحشام کے اسمائے گرامی بالترتیب حضرت شیخ سالار عثمان حضرت شیخ احمد صلاح الدین حضرت شیخ تاج الدین چوتھے خود حضرت شیخ دکنؒ تھے۔ آپ کمسن ہی تھے کہ والد گرامی نے عالم فانی سے عالم جاویدانی کی طرف رحلت فرمائی۔ حضرت شیخ دکنؒ اور انکے برادرانِ گرامی قدر کی تربیت و پرورش سلطان فشوری نے اپنے نگرانی وقصر شاہی میں نہایت عمدہ واحسن طریقے سے فرمائی۔ علوم دینیہ وعصریہ سے خوب آراستہ فرمایا۔ سلطان فشوری اپنے ہمشیر زادوں سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ اپنے ہمشیر زادوں کی جدائی و دوری انہیں لمحہ بھر کیلئے بھی گوارہ نہ تھی۔ انکا قاعدہ تھا کہ بوقتِ دربار شاہی اپنے ہمشیر زادوں کو تخت شاہی پر اپنے دائیں بائیں بٹھاتے ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک شخص بہت سے ملکوں کی سیر کرتا دربار فشوری حاضر ہوا۔ سلطان فشوری کی تعظیم وتوقیر بجالانے کے بعد عرض گذار ہوا کے ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے آباواجداد کے طریقہ کار پر گامزن رہے تا کہ خاندان کی حرمت بحال رہے یہ جملہ حضرت شیخ دکنؒ کی زندگی میں ایک عظیم صالح انقلاب پیدا کر دیا دل کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ دکنؒ نے قصر شاہی کو ترک کر کے راہ درویشی کو اختیار فرمایا اپنی والدہ مخدومہ اور برادران عزیز کے ہمراہ مرشد کامل کی تلاش میں نکل پڑے طویل مسافت کے بعد دولت پہنچے۔ جہاں مدار العلوم بندگی مخدوم سید السادات سید علاؤالدین جیوری جو مجتہد الوقت اور قطب ارشاد بزرگ تھے۔ ایک عالم کو فیضیاب فرما رہے تھے۔ حضرت شیخ دکنؒ حاضر خدمت اقدس ہو کر ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے اور شب و روز عبادت و ریاضت ذکر و اذکار مراقبہ و مشاہدہ میں ہمہ تن مصروف ومشغول ہو گئے۔ مرشد گرامی کی نگرانی میں منازلِ سلوک کو طئے فرمایا صرف ڈھائی تین سال کی قلیل مدت میں نعمت خلافت سے سرفرازی حاصل فرما کر مرشد گرامی کی اجازت پر دہلی تشریف لے گئے اور تاجدارِ تغلق سلطان غیاث الدین تغلق کی درخواست پر دہلی میں کچھ عرصہ قیام فرما کر اپنے فیضان کرم سے سلطان دہلی اور رعایا کو سرفراز فرمایا سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے بیحد عقیدت ومحبت رکھتا تھا۔ امور سلطنت کو حضرت شیخ کے ارشاد اور رائے کے مطابق ہی انجام دیتا ہر امر میں حضرت شیخ کی رائے کو مقدم رکھتا تھا۔ قیامِ دہلی کے زمانے میں سلطان غیاث الدین تغلق کی درخواست پر شہزادہ محمد تغلق کے ہمراہ لشکر اسلامی کی روحانی نصرت و مدد کیلئے ورنگل روانہ ہوئے۔ طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ راجہ ورنگل پرتاب رودرا کی اسلحہ سے لیس کثیر فوج کے مقابل لشکر اسلامی پسپا ہو کر شکست کے قریب تھا۔ عین ایسے عالم

Scanned with CamScanner

حضرت شیخ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں تشریف لاکر داد شجاعت دی اور اپنے تصرف روحانی کے ذریعہ میدان جنگ کی کایا پلٹ کر رکھ دیا۔ لشکر اسلامی کو فتح ونصرت اور پرتاب رودرا کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ پرتاب رودرا حضرت شیخ کے تصرف روحانی سے متاثر ہوکر آپ کے دست و لایت پر اسلام قبول کیا۔ جس کے بعد اس کی سلطنت اسے لوٹادی گئی۔ حضرت شیخ دہلی میں چند دن قیام کے بعد پھر دوبارہ دولت آباد کا قصد فرمایا۔ اثنائے سفر آپ کے برادر بزرگ شیخ سالار عثمانؒ 17 رمضان المبارک 723ھ داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور انہیں لکھنو میں سپر لحد کیا گیا۔ برادر دوم شیخ احمد صلاح الدین وہاں سے بنگال تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے چھ سال تبلیغ دین اور رشد ہدایت کا فریضہ انجام دیا ۲۹ رجب المرجب 729ھ کو رحلت فرمائی۔ حضرت شیخ اپنے والدہ مخدومہ اور برادر سوم کے ہمراہ دولت آباد تشریف لائے اور وہی قیام پذیر ہوئے۔ قیام دولت آباد کے زمانے کا واقعہ ہے کہ عالم رویاء میں ایک شب سراج دین رخ سراج منیر طٰہٰ ویٰسین سید المرسلین ﷺ کی زیارت اقدس سے مشرف ہوئے۔ ارشاد سراجؒ ہوا کے ائے شیخ سراج الدین دکن میں ہنوز اسلام نہیں پھیلا ہے۔ دکن جاکر اسلام پھیلاؤ تمہارے ہاتھوں ولایت دکن مذہب اسلام سے منور ہوگی۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنے رویائے صادقہ میں دیکھا کہ خالص چاندی کا گنبد جس کا کلس خالص سونے کا ہے، جنبش کررہا ہے۔ حضرت شیخ اپنا دستِ ولایت جیسے ہی اس گنبد مذکور پر رکھتے ہیں وہ اسی لمحہ ساکن ہوجاتا ہے۔ یہ دونوں خواب مرشد گرامی سے عرض کرنے پر مرشد گرامی آپ کو تبلیغ اسلام کے لئے دکن روانہ ہونے اور وہاں موضع کڑچی میں دریائے کرشنا کے کنارے قیام فرمائے کا حکم عنایت فرمانے جس کے بعد حضرت شیخ دکن کی طرف نکل پڑے اثنائے سفر جب آپ بیجاپور پہنچے تو وہاں آپ کی والدہ مخدومہ سخت علیل ہوئیں۔ 12 رشعبان کو انتقال فرمایا انہیں ابوالحسن وزیر کے مکان میں سپر لحد کیا گیا۔ حضرت شیخ ایک عظیم صدمے سے دوچار ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے بعد حضرت شیخ دکنؒ نے سرزمین کوڑچی کو اپنے قدوم کرامت لزوم سے زینت بخشی۔ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کشف و کرامات رشد وہدایات کے ذریعہ بیشمار بندگان خدا کو دولت ایمان واسلام سے مشرف فرمایا۔ آپ کے دست ولایت پر کوئی بڑے بڑے جادوگروں سوامیوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت شیخ دکنؒ کوڑچی تقریباً چالیس سال قیام فرمایا اور اپنے تصرف روحانی کے ذریعہ علاقہ دکن میں موجود باطل قوتوں کو نیست انابود کردیا۔ صاحب ارمغانی سلطانی معروف بہ سیر گلبرگہ نے قدیم ترین اور مستند تاریخی کتب تذکرہ الملوک، سیر مخدومی، واقعات مملکت بیجاپور تاریخ محبوب ذوالمین کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ دکنؒ کے قیام کوڑچی کے زمانے میں سیدہ اشرف جہاں ماں صاحبہ والدہ ماجد سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی اپنے دختران بہو بیٹے کے ہمراہ حضرت شیخ کی خدمت فیض درجات میں حاضر ہوکر حلقہ ارادت میں داخل ہوئیں اور شب روز خدمت واطاعت مرشد میں مشغول ہوئیں۔ علاؤالدین حسن بھی ہمہ وقت خدمت شیخ میں مصروف رہتا۔ موضع کڑچی میں قحط سالی کی وجہ سے وہاں کا سرپنچ گانگو پنڈت دیگر لوگوں کو ہمراہ لیکر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر باران رحمت کیلئے دعا کی درخواست کی جس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ مولانا قاصان اور لاغری کے قیام کیلئے مکان نہیں ہے اگر بارش ہوتو انہیں تکلیف ہوگی اور مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کیلئے مسجد بھی موجود نہیں ہے۔ تم لوگ پہلے ان دونوں کیلئے مکان اور مسلمانوں کیلئے مسجد کی تعمیر کرو پھر میں باران رحمت کیلئے ضرور دعا کرونگا۔ باشندگان کوڑچی نے فوراً مکان تعمیر کیا اور حضرت شیخ نے باران رحمت کی دعا کی خوب نفع بخش باران رحمت برسی سارا علاقہ سرسبز وشاداب ہوگیا۔ بعد مسجد کی تعمیر میں سارے لوگ مصروف ہوگے۔ حضرت شیخ کے حکم پر علاؤالدین حسن بھی تعمیر مسجد میں سخت محنت ومشقت کی حضرت شیخ تعمیری کام کا معائنہ فرمانے کیلئے بنفس نفیس تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ علاؤالدین کام کرکے تھک کر سویا ہوا ہے۔ حضرت شیخ دکنؒ نے اپنی زبان ولایت سے تقدیر جس کو ان الفاظ میں بیان فرمایا بادشاہ دکنؒ کیسا بے خبر سویا ہوا

Scanned with CamScanner

ہے اس کے سر پر یہ میلی کچیلی ٹوپی نہیں، بلکہ دکن کا تاج شاہی زیب دیگا۔ علاؤالدین حسن حضرت شیخ دکنؒ سے اکثر اپنی عسرت وتنگی کا ذکر کیا کرتا بالآخر وہ وقت سعید آپہنچا جب حضرت شیخ دکنؒ نے اسکو بلا کر چند لوگوں کے ہمراہ موضع کوڑچی کے قریب نلگنڈہ جانے کا حکم فرمایا اور ساتھ میں جس مقام کی نشان دہی بھی فرمائی جہاں ایک بہت بڑا دفینہ موجود تھا۔ علاؤالدین حسن چند آدمیوں کے ہمراہ مقام مذکور پر پہنچ کروہ خزانہ حاصل کر کے حاضر خدمت شیخ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ حکم فرماتے ہیں کہ اس کی مدد سے فوج اور اسلحہ تیار کر کے قلعہ میرج پر حملہ کر یقیناً تجھے فتح مبین حاصل ہوگی علاؤالدین حسن شیخ کے حکم پر قلعہ پر حملہ کرتا ہے حضرت شیخ کی دعاؤں اور روحانی تصرف کی برکت سے اسے فتح حاصل ہوتی ہیں اسکے اطراف کے کئی قلعے فتح کرتا۔ پھر حضرت شیخ اسے گلبرگہ پر حملے کا حکم دیتے اور ایسے فتح مبین کی بشارت سے بھی سرفراز فرماتے ہیں علاؤالدین حسن گلبرگہ پر حملہ کر کے راج رائے بھیرن کو قتل کر کے قلعہ گلبرگہ پر قبضہ کرلیتا ہے اور 748ء علاؤالدین حسن تخت نشین ہوکر سلطنت بہمنیہ کی داغ بیل ڈالی اور گلبرگہ کو دارالسلطنت قرار دیکر اسکا نام حسن آباد رکھا گنگو بہمنی اپنی کنیت مقرر کی علاؤالدین حسن سے شاہ کلیم اللہ بہمنی تک 18 سلاطین بہمنیہ نے تقریباً 180 سالہ طویل عرصہ علاقہ دکن پر حکمرانی کی شاہ کلیم اللہ بہمنی سلطنت بہمنیہ کا آخری سلطان ہوا جو نہایت ہی کمزور قسم کا بادشاہ تھا اسکی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہمنی سلطنت کی پانچ صوبہ داروں نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے پانچ الگ الگ سلطنتیں بنائی عادل شاہی نظام اہی قطب شاہ عماد شاہی، برید شاہی تاریخ قائم کرلیں تاریخ داں طبقے پر یہ امر حقیقت آفتاب روشن سے بھی کہیں زیادہ واقع ہے کہ علاقے دکن کی سب سے پہلی خودمختار اسلامی سلطنت سلطنت بہمنیہ ہی ہے اس سے قبل مسلمانوں کی کوئی سلطنت اس علاقے میں موجود نہیں تھی۔ سلطنت بہمنیہ کے زوال کے بعد جو بھی سلطنتیں قائم ہوئی وہ سلطنت بہمنیہ کا ہی حصہ ہیں تاریخ کے اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو تمام مسلم سلاطین دکن کسی نہ کسی طرح فیضان حضرت شیخ دکنؒ سے مالا مال ہیں تمام مسلم سلطنتوں کے استحکام ودوام میں حضرت شیخ دکن علیہ الرحمہ کا تصرف روحانی یقیناً کارفرما ہے اسی لئے تمام سلاطین بہمنیہ کا قاعدہ احسن تھا کے وہ تخت نشین ہونے سے قبل حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ یا ان کی اولاد موجودہ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہوکر مؤدبانہ دعاؤں کی درخواست فرما کر انکے دست مبارک سے تاج پوشی اور تبرکات سے سرفرازی کے بعد تخت شاہی پر متمکن ہوتے تمام اسلامی سلطنتوں کے استحکام اور انکو حاصل ہونے والی فتوحات کے علاوہ ان تمام اسلامی سلطنتوں (سلطنت بہمنی عادل شاہی، بریدشاہی، قطب شاہی، نظام شاہی) کے تحت رعایا کیلئے فلاحی ورفاہی علمی وادبی سیاسی وسماجی معاشی واقتصادی خدمات کا سہرا حضرت شیخ دکن علیہ الرحمہ کی ذات گرامی کو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام مسلم سلاطین دکن فیضان حضرت شیخ دکن علیہ الرحمہ کے فیضان کرم سے مالا مال ہیں۔ حضرت شیخ دکن علیہ الرحمۃ نے علاقے دکن میں تقریباً 71 سالہ طویل عرصہ تبلیغ دین وفریضۂ رشد وہدایت کو انجام دینے میں گذاری جسکی بدولت بیشمار بندگان خدا دولت ایمان واسلام سے مشرف ہوئے یہ آفتاب ولایت مہتاب رشد وہدایت ایک سو گیارہ (۱۱۱) سال کی عمر مبارک پاکر 16 شوال المکرم 781ھ بروز چہارشنبہ اشراق وچاشت کے درمیانی وقت میں افق عالم سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہوا نماز جنازہ ان کے نبیرہ وسجادہ نشین حضرت شیخ ابوالفضل جنیدی علیہ الرحمۃ نے پڑھائی بے شمار بندگان نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔

☆☆☆☆☆

Scanned with CamScanner

حفظانِ صحت

از: ازبیدالنساء، یم اے، بی ایڈ

مدرس بی یواردو یلمینٹری اسکول، ویلور

ہر زمانے میں ہر ایک کے لئے یہ ایک اہم عنوان ہے۔ صحت خدا کی عظیم نعمت ہے اور عظیم امانت بھی، صحت کی قدر کیجئے اور اس کی حفاظت میں کبھی لاپرواہی نہ برتئے۔ ایک بار جب صحت بگڑ جاتی ہے تو پھر بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ جس طرح حقیر دیمک بڑے بڑے کتب خانوں کو چاٹ کر تباہ کرڈالتی ہے اسی طرح صحت کے معاملے میں معمولی سی خیانت اور حقیر بیماری زندگی کو تباہ کرڈالتی ہے۔ صحت کے تقاضوں سے غفلت برتنا اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کرنا بے چینی بھی ہے اور خدا کی ناشکری بھی۔ عقل ودماغ کی نشو نما، فضائل، اخلاق کے تقاضے اور دینی فرائض کو ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ کمزور اور مریض کے جسم میں عقل ودماغ بھی کمزور ہوتے ہیں، اور انکی کارگزاری بھی نہایت ہی حوصلہ شکن ہے۔ جب زندگی اُمنگوں، ولولوں اور حوصلوں سے محروم ہو اور ارادے کمزور ہوں، جذبات سرد اور مضمحل ہوں تو ایسی بےرونق زندگی جسم ناتواں کے لئے وبال بن جاتی ہے۔ آپ ہمیشہ خوش وخرم، ہشاش بشاش اور چاق وچوبند رہئے۔ خوش باشی، خوش اخلاقی، مسکراہٹ اور زندہ دلی سے زندگی کو آراستہ پرکشش اور صحت مند رکھئے۔ غم، غصہ، رنج وفکر، حسد، جلن، بدخواہی، تنگ نظری، مردہ دلی اور دماغی الجھنوں سے دور رہئے۔ ہم نے یہ تمام باتیں ہمارے استادِ محترم شفیق مکرم جناب محمد باشاہ صاحب سے سیکھی ہیں۔ وہ ہمیشہ خوش اخلاق زندہ دل، صحت مند رہتے ہیں۔ ہم کو بھی بار بار حفظانِ صحت کے گُر سناتے رہتے ہیں۔ مذکورہ بالا اخلاقی بیماریاں اور ذہنی الجھنیں معدے کو بری طرح متاثر کرتی ہیں اور معدے کا فساد صحت کا بدترین دشمن ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''سیدھے سادے رہو، میانہ روی اختیار کرو، اور ہشاش، بشاش رہو'' (یہ مشکوۃ شریف کی حدیث ہے) اور نبی صلعم نے ہم کو جو دعا سکھائی ہے اس کا بھی اہتمام کیجئے۔

اللّٰهُمَّ اِنِّي اعوذُبِكَ مِنَ الهمِ والغُزنِ والعجزِ والكسلِ وَضَلعِ الدينِ و علبة الرِّجالِ (بخاری ومسلم)

''خدایا میں اپنے کو تیری پناہ میں دیتا/دیتی ہوں، پریشانی سے، غم سے، بے چارگی سے، سستی اور کاہلی سے، قرض کے بوجھ سے اور اس بات سے کہ لوگ مجھ کو دبا کر رکھیں''۔

حفظانِ صحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے جسم پر برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالئے۔ جسمانی قوتوں کو ضائع نہ کیجئے۔ جسمانی قوتوں کا یہ حق ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے اور ان سے اُن کی برداشت کے مطابق اعتدال کے ساتھ کام لیا جائے۔ اپنے عادات واطوار کا جائزہ لیتے رہئے۔ ہمیشہ سخت کوشی، جفاکشی، محنت، مشقت، اور بہادری کی زندگی گزارئے۔ ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت ڈالئے، اور سخت جان بنکر سادہ اور مجاہدانہ زندگی گزارنے کا اہتمام کیجئے۔ آرام پرست، نزاکت پسند، کاہل، عیش کوش، پست ہمت اور دنیا پرست نہ بنئے۔ اسلام میں جو جائز

قرار دیا گیا ہے وہ ضرور اپنایئے۔جس سے منع کیا گیا ہے اس سے دور رہئے، یہی صحت مندی کا راز ہے۔

خواتین بھی سخت کوشی اور محنت کی زندگی گزاریں گھر کا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کریں۔اولاد کو بھی شروع سے محنت کوش، جفاکش، اور سخت جان اٹھانے کی عادت ڈالیں۔گھر میں ملازم ہو تب بھی اولاد کو بات بات میں ملازم کا سہارا لینے سے منع کریں۔صحابیہ عورتیں اپنے گھروں کا کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں، باورچی خانے کا کام خود کرتی، چکی پیستیں، پانی بھر کر لاتیں، کپڑے دھوتیں، سینے پرونے کا اکم کرتیں اور ضرورت پڑنے پر میدانِ جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور پانی پلانے کا نظم بھی سنبھال لیتیں۔اس سے خواتین کی صحت بھی اچھی بنی رہتی ہے اور اخلاق بھی صحت مند رہتے ہیں اور بچوں پر بھی اُس کے اچھے اثرات پڑتے ہیں۔عورت اپنے دوسرے ساتھی عورتیں، ماں، بہن، سوکن، پڑوسن، غرض ان تمام عورتوں کے ساتھ جس سے ان کا سابقہ پڑتا ہے خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اور ان کے حقوق کا خیال رکھے۔وقت پڑنے پر ان کے ظلم وستم پر صبر کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔دشمن سے بھی نرمی کا سلوک کریں۔ایسا کرنے سے ٹینشن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور صحت بھی برقرار رہتی ہے۔اس کے برعکس کرنے سے معاملہ الٹا ہو سکتا ہے جس کا اثر ذہن اور صحت پر ضرور پڑیگا۔ضبط نفسکی عادت ڈالئے۔صبح اٹھ کر خدا کی بندگی بلا ناغہ بجالایئے۔روزانہ اپنی جسمانی قوت کے لحاظ سے مناسب اور ہلکی پھلکی ورزش کا اہتمام کیجئے۔نشہ آور چیزوں سے بچے رہئے۔ہر کام میں اعتدال اور سادگی کا لحاظ رکھئے۔کھانا ہمیشہ وقت پر کھایئے۔پُر خوری سے بچے رہئے، صحت کا دارومدار معدے کی صحت مندی پر ہے اور زیادہ کھانے سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ہمیشہ سادہ کھانا کھایئے، بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھایئے، زیادہ گرم کھانوں سے پرہیز کریں۔مسالوں، چٹکاروں اور ضرورت سے زیادہ لذت طلبی سے بھی پرہیز کریں۔کھانا نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ خوب چبا چبا کر کھائیں۔غم غصہ، رنج اور گھبراہٹ کی حالت میں کھانا معدے پر برا اثر ڈالتا ہے۔خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرتے ہوئے کھایئے۔جب بیمار ہوں تو پرہیز بھی پورے اطمینان سے کیجئے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ اور رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر چہل قدمی کیجئے۔عربی کا مشہور مقولہ ہے "دوپہر کا کھانا کھاؤ تو ذرا سو جاؤ، رات کا کھانا کھاؤ تو چہل قدمی کرو"۔انگریزی کا مقولہ تو معلوم ہوگا۔

"After Dinner Rest A While, After Supper Walk A Mile"

آنکھوں کی حفاظت کا پورا اہتمام کیجئے، دانتوں کے صاف رکھنے سے فرحت حاصل ہوتی ہے اور ہاضمے پر اچھا اثر پڑتا ہے۔مسواک کی عادت ڈالئے۔پاکی وطہارت کا پورا پورا اہتمام کیجئے۔کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانپ کر رکھئے۔انہیں مکھیوں سے حفاظت کیجئے، برتنوں کو صاف ستھرا رکھئے، لباس بہتر اور اٹھنے بیٹھنے کی جگہوں کو صاف رکھئے۔جسم کی صفائی کے لئے وضو وغسل کا اہتمام کیجئے، ہوا کی آلودگی، پانی کی آلودگی، گرد وغبار وغیرہ سے ماحول کو بچائے رکھئے۔زخمی ہونے پر پہلی طبی مدد لیجئے، پھر ڈاکٹر سے باقاعدہ علاج کروایئے۔صحت کو غنیمت جانئے۔بقولِ غالب ؂

تنگ دستی ہزار ہو غالب تندرستی ہزار نعمت ہے

Scanned with CamScanner

کثرت کرامات سیدنا غوث الاعظمؓ

از: امین اللہ خان قادری، خاکپائے اقطابِ ویلور
فرزند پیرِ طریقت حضرت علامہ مولانا احمد اللہ خان مظہر صدیقی قادریؒ
خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب ویلور

سیدنا غوث الاعظمؓ کی کرامت کی کثرت پر تمام مورخین کا اتفاق ہے۔ شیخ علی بن ابی نصیر الہیتیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے زمانے میں کوئی شخص حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانیؓ سے بڑھ کر صاحب کرامت نہیں دیکھا۔ جس وقت بھی کوئی شخص آپ کی کرامت دیکھنا چاہتا دیکھ لیتا۔ شیخ الاسلام عزیز الدین بن عبدالسلامؒ کا قول ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؓ کی کرامات جس قدر تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور کسی ولی کی نہیں۔ امام نوویؒ کا قول ہے کہ جس کثرت کے ساتھ معتبر ثقہ راویوں کی زبانی سیدنا عبدالقادر جیلانیؓ کی کرامات ہم تک پہنچی ہیں اور کسی ولی کی کرامت نہیں پہنچی۔ امام ابن تمیمہ کا قول ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؓ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

واضح رہے کہ کسی نبی کا معجزہ اس کے ولی کی کرامت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے آصف بن برخیاؒ کی کرامت تخت بلقیس کے حضرت سلیمانؑ کے دربار میں لانے کے سلسلے میں دراصل حضرت سلیمانؑ ہی کا معجزہ تھا جو اس ولی کی کرامت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس بات سے اس ولی کے بلند مرتبہ کے ساتھ ساتھ اس کے نبی کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا سیدنا عبدالقادر جیلانیؓ نے اپنے عظیم کرامت کے ذریعہ سید عالم نو مجسم ﷺ کے معجزات ہی کو ظاہر کیا، جن سے نہ صرف آپ کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے بلکہ آپ کے نبیؐ کی عظمت اور بزرگی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ جس نبیؐ کے امتی کا یہ حال ہو اس کے نبی کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔ جس طرح سید عالم ﷺ نے اپنے حسن ذات وصفات سے اللہ تعالیٰ کے حسن ذات وصفات ازلی کو ظاہر فرمایا، اسی طرح سیدنا غوث الاعظمؓ نے اپنے حسن ذات وصفات سے سید عالم ﷺ کے حسن وذات وصفات کو ظاہر کیا، اسلئے آپ مظہرِ جمالِ مصطفائی ہیں۔

"شیرف التواریخ" میں "مسالک السالکین" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم گنج بخشؒ صاحب مقامات عالیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا غوث الاعظمؓ کی کرامات ومناقب کثیرہ اس قدر ہیں کہ اگر تمام زمین کے درخت کے پتے کاغذ بن جائے اور شاخیں قلم بن جائیں، اور تمام مخلوق زمین وآسمان کی جمع ہو کر ان کو لکھے تو ہرگز ختم نہ ہوں، بلکہ لکھنے والے عاجز و قاصر آجائیں۔

شیخ نور اللہ سورتیؒ اپنی ایک منظوم فارسی منقبت میں جو سیدنا غوث الاعظمؓ کی شان میں لکھی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر نوع آسمان کاغذ بن جائے اور سات سمندر سیاہی اور تمام درخت قلم بن جائے اور تمام مخلوق جس کو قوت گویائی ملی ہے اگر

Scanned with CamScanner

سلطان محی الدین سیدنا عبدالقادرؒ کے فضائل و کرامات کو مضبوط تحریر میں لانا چاہیں تو اسکا ایک جزو بھی احاطہ تحریر میں نہ لا سکے۔ ''بھجۃ الاسرار'' میں ہے کہ شیخ عثمان صریفنیؒ کا قول ہے کہ سیدنا عبدالقادرؒ کی کرامات سلک مروارید کی طرح تھی جسمیں یکے بعد دیگرے لگاتار موتی ہیں، اگر ہم میں سے ہر روز کوئی جتنی کرامات دیکھنا چاہتا دیکھ لیتا۔

''اخبارالاخیار'' میں ہے کہ آپ کی ذات بابرکات سے ہر قسم کی کرامات کا صدور بہت تواتر سے ہوا، جیسا کہ خلقت کے ظاہر و باطن میں تصرف جنات و انسان پر حکم کا جاری کرنا، پوشیدہ باتوں کا علم اور اس پر اطلاع اسرار کا ظاہر کرنا دلوں کے بھیدوں سے آگاہ ہونا، ملک و ملت کے مخفیات سے خبر رکھنا، حقائق جبروت و اسرار لاحوت کا مکشوف ہونا مواحب غیبیہ کا عطا ہونا، حوادث کی تبدیلی محو و اثبات الٰہی سے عالم میں تصرف، مردوں کو زندہ کرنے کی صفت سے متصف ہونا، کوڑھ اور برص کے امراض کو دور کرنا، بیماریوں کو صحت دلانا طئی زمان و مکان، زمین و آسمان میں امر کا نافذ کرنا پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لوگوں کے ارادوں کو پھیر دینا، اشیاء کی طبائع کو بدلنا، غیب سے اشیاء کا حاضر کرنا، گذشتہ اور آئندہ خبروں سے بلاشک و شبہ واقف ہونا وغیرہ تمام اقسام کی کرامات و خوارق بر سبیل اتصال و دوام بین الخاص والعام ارادتاً اظہار دعویٰ برحق کے طور پر آپ کو حاصل تھیں۔

''اخبارالاخیار'' ہی میں ہے کہ امام عبداللہ یافعیؒ فرماتے ہیں کہ کرامات حضرت سیدنا عبدالقادرؒ سے اس قدر حد تواتر کو پہنچی ہیں اور بلا اتفاق معلوم ہے کہ کسی اولیاء کے زمانے سے اس قدر کرامتیں نہیں ہوئیں جیسا کہ آپ سے ظاہر ہوئیں۔ ''شریف التواریخ'' میں ہے کہ بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ کی کرامت میں مداحین نے مبالغے سے کام لیا ہے اور ایسے ایسے واقعات آپ سے منسوب کئے ہیں جو صرف شایانِ بارگاہِ ربوبیت ہیں۔ اس قسم کا اعتراض ''بھجۃ الاسرار'' پر بھی کیا گیا ہے جو آپ کے حالات میں جامع اور مفصل کتاب ہے۔ اس کا جواب علامہ کاتب چلپیؒ نے ''کشف الظنون'' میں اسطرح دیا ہے کہ ''میں کہتا ہوں ایسے مبالغات کونسے ہیں جو آپ کی طرف منسوب کر دئے گئے ہیں اور آپ پر ان کا اطلاق جائز نہیں۔ میں نے ہر چند جستجو کی مگر مجھے کوئی نقل ان میں ایسی نہیں ملی جس میں دوسروں نے اس کی متابعت نہ کی ہو۔ ان حالات کا اکثر حصہ جس کو صاحب ''بھجۃ الاسرار'' نے ذکر کیا ہے وہی ہے جس کو امام عبداللہ یافعیؒ نے السنۃ الفاخر تشر الخاسن اور روض الریاحین، اور شمس الدین الزکی الحیؒ نے کتاب الاشرف میں نقل کیا ہے اور بڑی سے بڑی بات جو آپ سے منسوب ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے مردوں کو مثلاً مرغی کو زندہ کر دیا۔ مجھے اپنی حیات کی قسم کہ اس واقعہ کو امام تاج الدین سبکیؒ نے بھی نقل کیا ہے اور یہ ابن رفاعیؒ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو دنیا و آخرت میں جو تصرف عطا فرمایا اسے وہ غبی، جاہل، حاسد کیونکر سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی عمر مضامین کے سمجھنے میں ضائع کی اور تزکیہ نفس اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کو چھوڑ کر اس پر قناعت کی اور یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اپنے اولیاء کو تصرف عطا کیا ہے۔ اسلئے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ ہمارے طریقے کی تصدیق ولایت ہے۔

وما علینا الا البلاغ

Scanned with CamScanner

حالِ بسمل

از: علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی شاہ نوریؒ

تمہیں پر رات دن شیدا مرے آقا مرا دل ہے
بہت بیتاب ہوں دردِ جگر سے حالِ بسمل ہے
کوئی ہو یا نہ ہو تمہاری ہی مجھے دھن ہے
تمہارے غیر کا اب تذکرہ بھی سمِ قاتل ہے
جہاں سے اور جہاں والوں سے مجھ کو واسطہ کیا ہے
کسی کو فکرِ روزی ہے کوئی محوِ مشاغل ہے
کسی کو کیا سناؤں اور کوئی کیا سن سکے میری
تمہارے ما سوا میں کون کچھ سننے کے قابل ہے
جو بحرِ ما سوا ہے اس میں اب ہر دم تلاطم ہے
سکون و امن کا میرے لئے تیرا ہی ساحل ہے
کوئی طالب ہے دنیا کا کوئی طالب ہے عقبیٰ کا
میں کس کا ہوں طلب میں دیکھ لو خاطر مرا دل ہے
اگر دو یا نہ دو مرضی تمہاری تم تو مالک ہو
مگر اس آستانہ سے نہ جانے کا وہ سائل ہے
کوئی اب قابلیت مجھ میں باقی ہی نہیں آقا
توسط کے لئے نوری پیا بس ایک قابل ہے
اُسی کے واسطے سے کچھ مری اب سن بھی لے مولیٰ
تو بولے آمرا یہ بات بس سننے کے قابل ہے

پیش کش : سید محمد باقر قادری، حضرت مکان ویلور

آرزوئے دید

ازمتولی جعفر شریف المتخلص ظفؔر وعادؔل

لب پر ہے میرے شکر غفورالرحیم کا
ہوں اُمتی جنابِ رسولِ کریم کا

اپنا خدا رحیم ہے اپنا نبیؐ کریم
اب خوف کیا ہو مجھکو عذابِ جحیم کا

یارب جو عشق دے مجھے اپنا ہی عشق دے
شیدائی ہوں میں تیرے رسولِ کریم کا

یارب نگاہِ لطف کا اُمیدوار ہوں
منکر جحیم کا ہوں یہ نہ خواہاں نعیم کا

یارب گناہگار ہوں عاصی ہوں بخشدے
اُمیدوار ہوں ترے لطفِ عمیم کا

یارب ہے چشم دل کو تری آرزوئے دید
جلوہ دکھا دے لمعۂ حسنِ قدیم کا

یارب ترا کلام سنوں گوشِ دل سے روز
حاصل ہوں مجھ کو دہر میں رتبہ کلیم کا

یارب ہوس و حرص ہو اِس طرح پائمال
برباد جس طرح سے ہو لشکر غنیم کا

یارب ہو میرے دل میں ترا عشق جلوہ گر
شیدا نہ میں بنوں کبھی حور و نعیم کا

یارب جو درد ہو تو ترا دردِ عشق ہو
درماں بھی ہو نصیب تو تجھ سے کریم کا

یارب میں دردِ عشق سے گھل گھل کے مرمٹوں
درماں نہ ہو کوئی مرے حالِ سقیم کا

یارب میں سوزِ عشق سے جل جل کے خاک ہوں
تاحشر میں نہ خوف ہو نارِ جحیم کا

یارب عذاب قبر سے مجھکو ملے نجات
کنجِ لحد ہو گوشہ ریاضِ نعیم کا

یارب زباں رکے نہ فرشتوں کے رو برو
مرقد میں خوف ہونہ عذابِ الیم کا

یارب میں اس طرح سے پہنچ جاؤں خلد میں
جس طرح سے چمن میں گزر ہو نسیم کا

یارب ہو خوف کیا اُسے خورشیدِ حشر سے
جس سر پہ سایہ ہو ترے لطفِ عمیم کا

یارب تو قبل پرسشِ اعمال بخشدے
پوچھا نہ جائے عذر گناہِ عظیم کا

یارب دم اخیر بھی ہو لبمیں تری یاد
اور لب پہ نام تیرے رسولِ کریم کا

یارب دعا ظفؔر کی ہو مقبولِ بارگاہ
دیتا ہے واسطہ ترے عرشِ عظیم کا

پیش کش : الحاج یوسف خان قادری، ریلوے ڈپارٹمنٹ، بنگلور

’’اللہ مجھے حُبِ نبی حُبِ نبی دے‘‘

از: سید سراج الدین منیرؔ حیدرآبادی

صدیقؓ کا دل قلبِ عمرؓ زورِ علیؓ دے
عثمانؓ کی حیا عشقِ بلالِؓ حبشی دے

بے تاب جگر تابِ نظر عزم قوی دے
دیکھوں ترے محبوب کا وہ دیدہ وری دے

جس دیدۂ بینا پہ کھلے تیری حقیقت
اے خالق کل مجھ کو عطا کر وہی دے

وہ گوش عطا کر کہ سنوں نغمۂ وحدت
محروم سماعت کو پیامِ ازلی دے

کر مجھ کو عطا علمِ لدنی کی بصیرت
پہچان سکوں خود کو وہ عرفانِ خودی دے

میں خاکِ عجم سے ہوں مگر اپنے کرم سے
منہ میں عجمی کے تو زبانِ عربی دے

جب جان ہی بخشی ہے تو اے خالقِ یکتا
چادر بھی کفن کے لئے طیبہ کی بنی دے

مانگی ہے دعا میں نے ندیم حبِ نبی کی
’’اللہ مجھے حبِ نبی حُبِ نبی دے‘‘

قسمت ہی سے ملتی ہے منیرؔ عشق کی دولت
ارزاں ہے اگر جان بھی دے کر تو خریدے

پیش کش: سید علی احمد قادری کلیم حیدرآباد

Scanned with CamScanner

منقبت درشانِ خواجہ بندہ نوازؒ

از: مولوی سید نیاز احمد جمالی آمرؔی
پرنسپال دارالعلوم جمالیہ۔ چنئی

فریاد میری سننا بندہ نواز ہو تم
قسمت میری جگانا بندہ نواز ہو تم

مشتاق ہوں تمہارا کرنا کرم خدارا
در پہ مجھے بلانا بندہ نواز ہو تم

منزل سے ہٹ گیا ہوں عصیاں میں گھر گیا ہوں
غفلت کو تم منانا بندہ نواز ہو تم

سائل پہ رحم کرنا عرفاں کا جام دینا
خالق سے تم ملانا بندہ نواز ہو تم

تم ہو دکن کے خواجہ عشاق کے ہو راجہ
ہم کو نواز دینا بندہ نواز ہو تم

کیا کر سکے نیازؔی مدح و ثنا تمہاری
گیسودراز ہو تم بندہ نواز ہو تم

☆☆☆

پیش کش : مولوی الحاج جمیل احمد شریف لطیفی، ننجنگڈھ

Scanned with CamScanner

سالنامہ

اللطیف

ویلور





Scanned with CamScanner